کلیاتِ سیدؔ

مرتب

ڈاکٹر شکیب ایاز

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

کلیاتِ سید

مرتب

ڈاکٹر شکیب ایاز

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

اشاعت: ۲۰۰۹ء
قیمت : -/۱۹۰روپے

طابع وناشر: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ-۴

ترتیب

حرف آغاز

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری کی بنیادی اہمیت اس کے نادر مخطوطات کے سبب ہے۔ لیکن مخطوطات کا ایک اہم ذخیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ لائبریری تحقیق وتدوین کا ایک اہم مرکز بھی ہے جہاں لائبریری کے دائرۂ اختصاص میں شامل مختلف موضوعات کے حوالے سے تحقیق وتدوین اور اشاعت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پیش نظر تصنیف اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

کلیاتِ سید کا یہ نسخہ جو ترتیب وتدوین کے بعد شائع کیا جارہا ہے، دراصل سید عظیم آبادی کے شاگرد عظیم الدین مخمورؔ صاحب کی ملکیت تھا جو ان کے صاحبزادے پروفیسر شکیب ایاز کے توسط سے ۲۰۰۷ء میں لائبریری کو حاصل ہوا۔ سید حسن صاحب پٹنہ یا عظیم آباد کی تاریخ اور تہذیب کے اس دور کی نمائندگی کرتے ہیں جب پرانی قدریں رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی تھیں۔ ان حالات کا ذکر جمیلؔ مظہری صاحب نے اپنے مضمون ''کل کا عظیم آباد'' میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

اس گنگا جمنی تہذیب کو پروان چڑھانے میں اردو زبان کا خصوصی حصہ رہا ہے اور اس کی عملی شکل مشاعروں کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس دور کے مقامی مشاعروں میں جن شعرا کی شرکت برابر ہوتی رہی ان میں سید حسن صاحب معروف ومقبول حیثیت رکھتے تھے۔ ایسی نمائندہ شخصیتوں کو یاد کرنا اور نئی نسل کو ان سے متعارف کرنا لازمی ہے کیونکہ تب ہی ہم آہنگی اور رواداری کی اس عظیم وراثت کو ہم قائم رکھ سکیں گے اور خود کو اس کا اہل بھی ثابت کرسکیں گے۔

کلیات سید کی اشاعت اسی سمت میں ایک کوشش ہے۔ یہ نسخہ جو لائبریری میں

Acc. 6023 کے تحت محفوظ ہے کل ایک سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس نسخے کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

کل غزلیں: ۱۰۴، مستزاد: ایک، کل اشعار: ۱۲۵۹، سادہ صفحات: ۲۴ ہیں۔

مخطوطہ کا سائز: لمبائی ساڑھے ۲۲ سنٹی میٹر اور چوڑائی ساڑھے ۱۶ سنٹی میٹر ہے۔

کلیات کی ابتدا ایک حمد سے ہوئی ہے، جس کا پہلا شعر ہے:

حمد ہے تیری سر بسر، نغمہ اک اک ساز کا
بانگ حجاز پردہ ہے، تیری حریم ناز کا

خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے:

ان کی تجلیوں میں ضیا ہے چراغ کی
وہ آئیں گے تو شمع بھی محفل میں آئے گی

اس نسخے کی تدوین ڈاکٹر شکیب ایاز نے کی ہے جو ایک طویل عرصے تک اورینٹل کالج، پٹنہ سیٹی کے شعبۂ اردو کے صدر رہے۔ اس کے بعد بہار اردو اکادمی کے سکریٹری کے فرائض انجام دیے اور فی الحال خدابخش لائبریری میں سینئر ریسرچ فیلو کی حیثیت سے مصروف کار ہیں۔ اردو کے اہم شعرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے اور آپ نے لائبریری میں محفوظ دیوان راسخ کے نسخے کی بھی تدوین کی ہے جس کی اشاعت ۲۰۰۶ء میں ہو چکی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کلیات کی اشاعت سے نہ صرف سید حسن عظیم آبادی کی شخصیت اور شاعرانہ عظمت سے قارئین متعارف ہو سکیں گے بلکہ اس تہذیبی اور ثقافتی ماحول سے بھی روبرو ہوں گے جو کبھی اس شہر کی انفرادی شناخت کا سبب رہا ہے۔

امتیاز احمد
ڈائرکٹر

کچھ کلیاتِ سیدؔ کے بارے میں

کلیاتِ سیدؔ، سید حسن سیدؔ عظیم آبادی کا بخط مصنف خطی نسخہ ہے۔ مذکورہ نسخہ راقم السطور کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ تھا جو میرے والد عظیم الدین مخمورؔ کی ملکیت تھا۔ میں نے اسے ۷؍جولائی ۲۰۰۷ء کو خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری میں جمع کر دیا تا کہ محفوظ رہ سکے اور عوامی استفادہ کی خاطر عام ہو سکے۔ اس دیوان کے متعلق کلیم احمد عاجزؔ لکھتے ہیں:

''سید عظیم آبادی، حیراں عظیم آبادی، رضا عظیم آبادی کا کلام قلمی مسودات سے حاصل کیا گیا۔ سید صاحب کا بچا ہوا مختصر کلام ان کے شاگرد عظیم الدین مخمورؔ (عظیمؔ عظیم آبادی) کی ملکیت ہے۔ رضا اور حیراں کے قلمی مجموعے ان کے ورثا کے پاس اب تک محفوظ ہیں (۱)۔

کلیم عاجز صاحب نے راقم السطور کو ایک خط محررہ ۴؍دسمبر ۱۹۶۴ء میں یہ لکھا تھا، وہ خط موجود ہے:

''میں آج جمعہ ۴؍دسمبر کو حیراں صاحب مرحوم کے صاحبزادے کے یہاں سوئی کی مسجد گیا۔ اس مکان میں کچھ دوسرے لوگ تھے۔ معلوم ہوا کہ خواجہ کلاں میں کہیں رہتے ہیں۔ آپ کو ضرور اطلاع ہوگی۔ آپ تکلیف کر کے ان سے مل لیں اور حیراں مرحوم کا جو سرمایہ ہے، چند گھنٹوں کے لئے مانگ لیں۔ حکیم رضا صاحب کا کلام آپ کے یہاں موجود ہی ہے۔ منشی باقر صاحب کا دیوان اور ''مثنوی کیمیائے دل'' لائبریری سے منگوا لیجیے... ثاقب صاحب کا کچھ کلام لا سکے تو لے لیجئے ورنہ چھوڑ دیجئے۔ حالات جس قدر سب کے مہیا ہو سکیں، اکٹھا کر لیجئے...''

کلیاتِ سیدؔ کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں:

''کلیاتِ سید'' اب خدابخش لائبریری کی ملکیت میں ہے جس کا شمار نمبر Acc No.

۱۔ بہار میں اردو شاعری کا ارتقاء ۱۸۵۷ سے ۱۹۱۴ء تک، ص ۱۴۱

6023 ہے۔ کل صفحات ایک سو ہیں۔ کل غزلیں: ۱۰۴، مستزاد: ایک، کل اشعار: ۱۲۵۹، سادہ صفحات: ۲۴ ہیں۔ مخطوطہ کا سائز: لمبائی 22½ سنٹی میٹر اور چوڑائی 16½ سنٹی میٹر ہے۔

کلیات کی ابتدا ایک حمد سے ہوئی ہے جس کا پہلا شعر ہے:

حمد ہے تیری سر بسر، نغمہ ایک ایک ساز کا
بانگ حجاز پردہ ہے، تیری حریم ناز کا

اور کلیات کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے:

ان کی تجلیوں میں ضیا ہے چراغ کی
وہ آئیں گے تو شمع بھی محفل میں آئے گی

ص ۲ پر مصرع ہے: یہ دل شوخ کا نذرانہ ہے''۔ قیاس کرکے ''چشمی'' لفظ درج کیا گیا ہے۔

ص ۳: لفظ ''جانے'' کی جگہ ''جانیں'' لکھا گیا ہے۔ یہاں ''جانے'' درج کیا گیا ہے۔

ص ۱۴: خود نگاہوں سے ہے اظہار تمنا ہوتا ''ہے'' کی جگہ ''ہی'' ہونا چاہئے۔

ص ۱۵: سب سمجھتے ہیں کہ ہم سے ہی اشارا ہوتا ''ہیں'' کی جگہ کلیات میں ''ہے'' درج ہے۔

ص ۲۴: کلیات: بندھی ہوئی رقیبوں کی انہیں سے امید'' اسے یوں کیا گیا ہے: ''بندھی ہوئی ہے رقیبوں کی ان سے ہی امید''۔

ص ۳۷: دیوان: ہے ہے وہ پہونچنے نہ پائے سر بالیں، یہاں پہنچے کے بعد ''بھی'' لفظ درج نہ ہوسکا ہے۔ اضافہ مرتب ہے۔

ص ۳۹: کلیات: اب وہ رونق نہیں سید ریاض دہر کی، لفظ ''رونق'' کے بعد ''ہی'' ہونا چاہئے، لفظ چھوٹ گیا ہے۔

ص ۴۴: غیر مروج لفظ ''نروبان'' شعر میں استعمال ہوا جس کے معنی ہیں، سیڑھی، زینہ (فرہنگ عامرہ)

ص ۴۶: کلیات: بکھرے وہ زلف کیوں مرنے کے سوگ میں، لفظ کیوں کے بعد ''مرے'' چھوٹ گیا ہے۔ یہ اضافہ مرتب ہے۔

ص ۵۰: بت خانے میں بھی پڑھتے ہیں اللہ کی نماز ''بھی'' کے بعد ''وہ'' چھوٹ گیا ہے۔

ص ۵۷: کلیات سید: سید رہے گی مشق تصور اگر یونہی یا لفظ ''یونہیں'' دیوان میں درج ہے۔

ص ۶۸: کلیات: کانوں میں ڈال کے سوئے مزار میں، کانوں میں روئی ڈال کے

سوئے مزار میں، ہونا چاہئے لفظ چھوٹ گیا ہے۔

ص ۶۱: کلیات: جدھر ان کا رخ ہے اُدھر اپنی رو بھی، رو مذکر ہے (نور اللغات) اس لئے مرتبہ کلیات میں ''اپنا'' کردیا گیا ہے۔

ص ۷۵: کلیات: سبزہ اغازی ہی تک بس ہے جوانی کی بہار، صحیح یہ ہے: سبزۂ آغاز تک بس ہے جوانی کی بہار۔

ص ۹۰: لفظ ''واؤ'' کتابت میں چھوٹ گیا ہے اضافہ مرتب ہے۔

ص ۹۷: بقول نقل (ہے) تعمیر دل مسمار کردینا، ہے کا لفظ مرتب کا اضافہ ہے۔

ص ۱۰۲: کلیات کے ص ۷۷ کے مطابق ردیف ''ن'' کی جگہ ''ردیف واؤ'' درج ہوا ہے۔

ص ۱۰۴: لفظ ''یونہی'' کو ''یونہیں'' لکھا گیا ہے۔

ص ۱۰۵: کلیات میں ایک شعر ہے جس میں لفظ ''تھل بیڑا'' استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ساحل مراد تک پہنچنا ہے (فیروز اللغات جلد دوم)

ص ۱۰۶: لفظ ''اکٹھا'' کو ''اکھٹا'' لکھا گیا ہے۔

ص ۱۱۲: کلیات: ایک شعر درج ہے اور ایک مصرع لکھا ہے۔

ص ۱۱۴: کلیات: سید چھپا کے رکھیو حسینوں سے نقد دل + ایسا نہ ہو کہ مال کی اپنے

ہہاس ہو

ص ۱۱۵: ''واسطا'' کلیات میں لکھا ہوا ہے۔

ص ۱۱۷: پہونچے نہیں...... تک مری آہوں کی ہوا بھی ''لیکن کلیات میں نہیں'' کی جگہ

''نہ'' درج ہے۔

ص ۱۴۲: وہ آئیں تو شمع بھی محفل میں آئے گی یہاں آئیں گے بعد ''گے'' کا لفظ سہواً چھوٹ گیا ہے۔ اضافہ مرتب ہے۔

ص ۱۴۴: گلدستہ: کھوتا ہے خون ہے وہ آنچ اس تلوار کی ص ۲۷۴ مرتب: کھولتا ہے خون سے وہ آنچ اس تلوار کی''

ص ۱۴۵: گلدستہ: چہرا

حالات زندگی

سید حسن نام تخلص سید۔ والد کا نام منشی علی حسن (۱) اور والدہ کا نام امت الفاطمہ تھا۔ سید عظیم آبادی اپنے نانا میر کفایت علی کے گھر بہ محلہ گرہٹا ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے (۲)۔ منشی میر محمد باقر، سید عظیم آبادی کے سگے ماموں تھے۔ منشی میر کفایت علی چھوٹے سے زمیندار اور خوش حال گھرانے سے متعلق تھے (۳)۔ سید کی تعلیم و تربیت نانیہال میں ہوئی۔ باقر سے درسی کتابیں پڑھیں، فن کتابت کا ہنر بھی باقر سے سیکھا۔ بقول فصیح الدین بلخی ''منشی کفایت علی خود ہی اعلیٰ درجے کے خوش نویس تھے۔ ان کی تربیت کا بھی اثر سید پر پڑا ہوگا۔ شاعری میں بھی باقر سے تلمذ تھا۔''

آخری دور میں سید حسن سید مستقل بیمار رہنے لگے تھے۔ ۱۹۶۱ء میں سخت سردی پڑی تھی۔ کمزوری کے باعث سخت ٹھنڈ لگی اور دو چار روز میں بتاریخ ۲۰/دسمبر ۱۹۶۱ء بوقت صبح ۵ بج کر ۳۰ منٹ پر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ۲۱/دسمبر ۱۹۶۱ء کو بعد نماز ظہر صدر گلی جامع مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ صدر گلی کے محلہ میں کرشنا ٹاکیز کے دکھن گلی میں واقع ایک قبرستان میں مدفون ہوئے، مزار موجود ہے۔

سید حسن سید کے والد منشی علی حسن کو چار اولادیں ہوئیں۔ پہلی اولاد سید حسن، دوسری نور حسن، تیسری اولاد امانت الفاطمہ اور چوتھی قمر النساء تھیں۔ ان میں اب کوئی بھی بقید حیات نہیں۔ بڑی بہن کی شادی یعنی امانت الفاطمہ سید محمد حسن سے منسوب تھیں جو ساکن صدر گلی تھے۔ اسی محلے میں ان کا مکان موجود ہے اور ان کی اولادیں رہتی ہیں۔ سید حسن سید کی دوسری بہن کی شادی سید سمیع الدین محلہ بنواری ٹولہ صدر گلی سے ہوئی جو سید محمد حسن کے سگے چھوٹے بھائی تھے۔ نور حسن کی شادی کب اور کہاں ہوئی معلوم نہیں۔ لیکن سید حسن اور نور حسن دونوں لاولد تھے۔ سن شعور سے راقم نے انہیں لاولد دیکھا۔ وہ باقر کے گھر میں رہتے تھے۔ حالات ناگفتہ بہ ہوئے تو مکان فروخت کر دیا اور کرائے کے مکان میں رہنے لگے تھے۔

۱۔ عید نمبر، صدائے عام ۱۹۵۳، سید فصیح الدین بلخی، ص ۶۷

۲۔ بہار میں اردو شاعری کا ارتقاء از کلیم احمد عاجز، ص ۵۶۰

۳۔ عید نمبر، صدائے عام روزنامہ ۱۹۵۳، سید فصیح الدین بلخی، ص ۶۷

دنیا میں اک مرقع عبرت فزا ہوں میں
آنکھیں ادھر نہ بہر تماشا اٹھائیے

کچھ دنوں شاہ رفیع الدین لودی کٹرہ کے مکان میں بھی مقیم رہے۔ جمیل احمد ام ال اے کے مکان واقع محلہ باغ کالو خاں میں بھی دن گذارے تھے لیکن آخری وقت میں چھوٹی بہن قمر النساء کے گھر آگئے تھے۔ تبدیلی مکانات کے سبب ان کا ضخیم دیوان (پانچ سو۵۰۰ سے زائد غزلیں ہوں گی) ضائع ہوگیا۔ راقم السطور نے وہ دیکھا تھا بلکہ اس دیوان سے میں نے ایک غزل نقل کر کے نادم بلخی کے رسالہ ''کوئل'' ڈالٹین گنج کو دی تھی جو شائع ہوئی جس کا مقطع درج ہے:

کیا بجھائے گی اے باد مخالف سید
داغ دل کوئی چراغ سر تربت کیا ہے

سید عظیم آبادی منکسر المزاج، کم سخن، مرنجا مرنج قسم کے عالم تھے۔ سادہ زندگی گذارتے تھے۔ گھر پر کرتا چوڑے مہری کا پائجامہ پہنتے تھے۔ باہر نکلتے تو سر پر ٹوپی اور شیروانی ہوتی تھی۔ کلیم عاجز ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱)''میں نے انہیں دو تین محفلوں میں کلام سنتے دیکھا۔ جب ان کا سن ساٹھ سے تجاوز کر رہا ہوگا۔ عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر غیور اور باوضع تھے۔ کبھی بغیر شیروانی کے گھر سے باہر نہیں دیکھا۔ جوانی میں حسین ہوں گے۔ کتابی چہرہ، ستواں ناک، کشادہ آنکھیں اور کشادہ پیشانی۔ مشاعرے میں کم شریک ہوتے تھے۔ مشاعروں کے علاوہ عام شعرا کی طرح کلام سنانے کا مزاج نہ تھا۔ گفتگو سے اور عادات واطوار سے اپنے کو شاعر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ باتیں عموماً غیر شاعرانہ کرتے تھے...شاعری کے علاوہ کوئی مشغلہ اختیار نہیں کیا۔ اس کے باوجود شاعری سے خوش نظر نہیں آتے تھے۔''

داڑھی نہیں تھی۔ ترشی مونچھ میں سیاہ خضاب لگاتے تھے لیکن سر کے بال سفید رکھتے تھے۔ آہستہ آہستہ قدم چلتے تھے۔ پان اور سگریٹ کے شوقین تھے لیکن حقے کو ترجیح دیتے تھے۔ روزانہ شام کو معمول کے مطابق پاپیادہ گرہٹا سے باغ کالو خاں راقم السطور کے مکان پر تشریف لاتے تھے۔ باقر کے انتقال کے بعد والد عظیم الدین مخمور، سید صاحب کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ یہ تھی

۱۔ بہار میں اردو شاعری کا ارتقاء از کلیم احمد عاجز، ص ۵۶۰-۵۶۱

جہت جس کے سبب ہم لوگ دادا کہتے تھے۔ شطرنج خوب کھیلتے تھے۔ شام کو میرے گھر شطرنج کی بساط بچھ جاتی تھی۔ روزانہ آنے والوں میں شاہ رفیع الدین، شفیع حیدر، اظہار الدین، ابوالحسن کے نام یاد آتے ہیں۔ سید صاحب میر مجلس ہوتے۔ ہمارے ظہیر دادا بھی لودی کٹرہ سے آجاتے تھے لیکن پابند نہ تھے۔ چائے، پان، اور حقہ کی گردش جاری رہتی تھی۔

پٹنہ کی ادبی ٹولیوں میں حمید عظیم آبادی کے حلقہ تلامذہ کی تعداد کافی تھی۔ وہ خود اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ راقم نے بھی ان سے درسی کتابیں پڑھی تھیں۔ سید صاحب کا حلقہ ضرور تھا لیکن کبھی نوک جھونک روا نہیں رکھا۔ سید صاحب کے استاد بھائیوں میں بھی اختلاف نہ رہا۔

باقر کا ۱۹۲۷ء میں انتقال ہوا اور بالاتفاق رائے سید عظیم آبادی جانشیں باقر تسلیم کئے گئے۔ انجمن رفیق الشعراء ۱۹۲۰ء میں قائم ہوئی تھی جس کے صدر بالاتفاق رائے سید عظیم آبادی ہوئے۔ ۱۹۵۸ء تک اس کے مشاعرے ہوتے رہے۔ ایک دو گلدستہ بھی شائع ہوئے۔ ۱۹۴۹ء کے گلدستہ پر راقم کا مضمون آجکل دہلی کے شمارہ ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۹۸۴ء کا زمانہ تھا۔ شاد کے شاگرد محمود علی خاں صبا جو میرے پڑوس میں رہتے تھے انہوں نے مجھے سید عظیم آبادی کی طرحی غزلوں کا ایک مطبوعہ مجموعہ دیا جس کا مصرع طرح یہ تھا:

تلوار کھینچیے کہ تمنچا اٹھائیے

مذکورہ گلدستہ آلِ احمد کے اہتمام میں سلیمانی پریس پٹنہ سیٹی میں چھپا تھا۔ اس گلدستے کے بارے میں محمود علی خاں صبا کا یہ خیال تھا:

> "باقر کے انتقال کے بعد پٹنہ میں موجودہ شعراء کی مختلف ٹولیاں یہ کہہ رہی تھیں کہ اب باقر کے شاگردوں میں کوئی ایسا نہیں جو ان کا جانشیں بن سکے۔ شاد کے انتقال کے بعد بھی اس طرح کا واقعہ شروع ہوا تھا۔ یہ یاد نہیں کہ شعراء کا کون گروپ تھا غالباً ۳۱-۱۹۳۰ میں ایک مشاعرہ حفیظ الدین بلخی یا نظام الدین بلخی تلمذ داغ کی طرف سے بخشی محلہ پٹنہ سیٹی میں ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں سید صاحب نے طرحی غزلیں کہی تھیں اور اس موقع پر گلدستہ شائع کر کے سید صاحب نے بٹوایا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر احوال معلوم نہیں (۱)۔

۱۔ معاصر شمارہ ۷، ۳: منشی میر سید باقر عظیم آبادی۔

مذکرہ گلدستہ میں ہر صفحہ پر اٹھارہ[۱۸] اشعار کی غزل بہ یک طرح شائع ہوئی ہے۔ صفحات کے نمبر موجود نہیں۔ اشعار کے نمبر راقم السطور نے قائم کیے ہیں:

راحت کو بھول جائیے، ایذا اٹھائیے
دل دینے کی سزا ہے، نتیجا اٹھائیے

نقش قدم کی طرح سے ہیں رہ گذر میں ہم
ہم سے گرے ہوؤں کو خدا را اٹھائیے

کھلنے پہ آگیا ہے بھرم کوئے یار کا
شوخی ابھارتی ہے کہ پردا اٹھائیے

آنکھوں کو ضد کہ ان سے رہے چشم التفات
دل کو نصیحت اس کا بھروسا اٹھائیے

واللہ آپ اپنی حفاظت کرے گا حسن
پردہ کو جانے دیجئے پردا اٹھائیے

کہتے نہ تھے کہ قہر ہے شوق گل مراد
تکلیف خار زار تمنا اٹھائیے

اک ہم ہیں اور آپ کوئی دوسرا نہیں
کس کا حجاب، چشم تماشا اٹھائیے

دنیا نہیں مرقع نیرنگ حسن ہے
حیرت سے کیوں نہ چشم تماشا اٹھائیے

لکھنا کسی طرح میں غزل قہر ہوگیا
کٹ جائیں ہاتھ جب تو قلم کیا اٹھائیے

چلئے جہاں کوئی نہ ہو سید شریک حال
ایذا غمِ فراق کی تنہا اٹھایئے

تیسری غزل: کل اشعار: ۱۸، اشعار کے نمبر راقم نے درج کیے ہیں۔ منتخب اشعار:

(۴) میرے غریب دل کی حقیقت ہی کیا حضور
اس پر نہ آنکھ اپنی خدارا اٹھایئے

(۵) بے بہرہ ہوگئی مری چشم نظارہ باز
اب کس پہ یہ خیال کہ پردا اٹھایئے

(۱۵) دل دے خدا تو لوٹئے تفریح کے مزے
آنکھیں ملیں تو لطف تماشا اٹھایئے

(۱۶) تکلیف شوق و نازش احباب و رنج و غم
اس ایک اپنی جاں پہ کیا کیا اٹھایئے

(۱۸) سید مجاز ہی میں حقیقت طلب ہو دل
دنیا میں رہ کے خواہش دنیا اٹھایئے

چوتھی غزل: کل اشعار: اٹھارہ (۱۸) اشعار کا شمار نمبر قائم کردہ راقم:

(۱۱) دھمکی میں بھاگ جائیں گے اغیار بزم سے
کیا ایسے بزدلوں پہ تمنچا اٹھایئے

(۱۴) دنیا میں اک مرقع عبرت فزا ہوں میں
آنکھیں اِدھر نہ بہر تماشا اٹھایئے

(۱۶) دنیا میں چھوٹے منہ سے بڑی بات کیجئے
قطرے سے شور، صورت دریا اٹھایئے

(۱۸) یکرنگئی زمانہ سے سیّد بھرا ہے دل
کچھ لذت دورنگئی دنیا اٹھایئے

پانچویں غزل: کل اشعار اٹھارہ (۱۸)۔ اشعار کے شمار نمبر راقم نے درج کیے ہیں:

(۱۱) افسوس جائے شام ہے یاروں کا قافلہ
اور آپ صبح کو بھی نہ جھنڈا اٹھائیے

(۱۲) مردانگی سے باز نہ آئیں گے جاں نثار
بندوق چھوڑیئے کہ تپنچا اٹھائیے

(۱۶) منھ زوریاں کرے جو کوئی دم، سمند عمر
کوڑے سے بات کیجئے کوڑا اٹھائیے

(۱۷) دشمن بھی ہو تو اسکی تواضع ضرور ہے
آکر جو بیٹھ جائے، اسے کیا اٹھائیے

(۱۸) اغیار کا کہیں پہ نہیں سید اعتبار
سچ بولنے کا ان سے بھروسا اٹھائیے

مذکورہ انتخابات میں بعض بعض اشعار ایسے ہیں جو طنزیہ ہیں شاید محمود علی خاں صبا کے بیان کے بموجب انہیں لوگوں پر یہ شعری نشتر لگائے گئے ہیں جن کا ذکر سطور گذشتہ میں آچکا ہے:

مردانگی سے باز نہ آئیں گے جاں نثار
بندوق چھوڑیئے کہ تپنچا اٹھائیے

دھمکی میں بھاگ جائیں گے اغیار بزم سے
کیا ایسے بزدلوں پہ تپنچا اٹھائیے

دنیا میں چھوٹے منھ سے بڑی بات کیجئے
قطرے کے شور، صورت دریا اٹھائیے

تکلیف شوق و نازش احباب و رنج وغم
اس ایک اپنی جان پہ کیا کیا اٹھائیے

منھ زوریاں کرے جو کوئی دم، سمند عمر
کوڑے سے بات کیجئے کوڑا اٹھائیے

اغیار کا کہیں پہ نہیں سید اعتبار
سچ بولنے کا ان سے بھروسا اٹھایئے

''انجمن رفیق الشعرا'' ۱۹۲۰ میں قائم ہوئی تھی۔ سید عظیم آبادی بالاتفاق رائے اس کے صدر منتخب ہوئے اور تاحیات اس کے صدر نشیں رہے۔ انجمن کے گلدستے کی ایک رپورٹ موجود ہے جس میں تفصیلات درج ہیں:

یہ انجمن ۱۹۲۴ء میں معرض وجود میں آئی۔ بہ درمیان مولوی سید حسن سید و مولوی حکیم محمد رضا و مولوی علی احمد خبر و مولوی عبدالعزیز حیراں و مولوی عظیم الدین مخمور و مولوی ابوالحسن و مولوی مخزن الحسنات مخزن و بجرنگ سہائے صنوبر و پیارے لال الفتی و متوفی بابو رادھے لال (جوہر) سنگ بنیاد ہوا اور یہی حضرات...خصوصی ٹھہرے (۱)۔

۱۹۴۹ء کے مذکورہ گلدستے میں یہ بھی درج ہے:

عہدہ داروں کا انتخاب رائے شماری کے ذریعہ ہوا۔ چنانچہ مولوی سید حسن سید صاحب صدر، بابو بجرنگ سہائے صنوبر نائب صدر و حکیم محمد رضا صاحب سکریٹری اور مولوی عظیم الدین مخمور نائب سکریٹری منتخب ہوئے اور انجمن کی افتتاح..........تاریخ تا امروز بفضلہٖ اچھے برے زبان اردو کی خدمت کئے جارہی ہے (۲)۔

مخزن الحسنات مخزن اور علی احمد خبر شاد کے شاگردوں میں تھے پھر بھی اس انجمن کے اساسی ممبر ہوئے۔ اس سے اس انجمن کے نظریات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

''انجمن رفیق الشعراء'' کے متعلق کلیم عاجز لکھتے ہیں:

''..انجمن رفیق الشعراء پٹنہ سیٹی کی ایک ادبی انجمن تھی۔ اس کے ماہانے مشاعرے ہوتے تھے۔ طرحیں دی جاتی تھیں۔ طرح پر شعراء طبع آزمائی کرتے اور مقررہ مشاعرے کی تاریخ کو اپنے اشعار پڑھتے تھے۔''

اب چلے آیئے شاعری پر۔ اسکول میں تھا تو کثرت مطالعہ کی وجہ سے طبیعت شاعری کی طرف ہوگئی تھی۔ چند غزلیں کہی تھیں۔ یہاں دو سال تک یہ سلسلہ رہا۔ ۱۹۴۹ء میں اس کی تجدید

۱۔ انجمن رفیق الشعرا کا ایک نایاب گلدستہ از شکیب ایاز، آجکل، دہلی اگست ۱۹۸۳، ص ۱۱-15

۲۔ ایضاً۔

ہوئی۔

پٹنہ سیٹی میں ایک ادبی انجمن ''انجمن رفیق الشعراء'' تھی جس میں حلقۂ میر باقر کے شعراء کی اکثریت تھی۔ اس انجمن کا جلسہ ہر ماہ کسی نہ کسی ممبر کے یہاں طرحی مشاعرہ کی شکل میں ہوا کرتا تھا۔ اس انجمن کے ایک طرحی مشاعرہ میں کسی کی ترغیب سے میں پہلی بار شریک ہوا۔ پہلی غزل وہیں پڑھی، مصرع تھا:

وہ اپنا دل بتاتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

...میرے پاس ابتدائی دور کی غزلیں موجود نہیں۔ مقطع اب تک حافظے میں ہے:

غزل سن کر مری بولے انہیں کا نام ہے عاجز
یہی وہ ہیں جو اپنے کو بڑا قابل سمجھتے ہیں (۱)

''انجمن رفیق الشعراء'' کے مشاعرہ منعقدہ ۱۹۴۹ کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی صدارت سید عظیم آبادی سید کررہے تھے۔ ان کے خطی دیوان بخط مصنف میں اس طرح کی غزل موجود ہے اور سنہ ۱۹۴۹ درج ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

ہماری جان کو وہ جان، دل کو دل سمجھتے ہیں
خدا رکھے بڑی مشکل سے اب مشکل سمجھتے ہیں
تعجب کیا اگر دریا کو ہم ساحل سمجھتے ہیں
یہ اہل دل کی باتیں ہیں، یہ اہل دل سمجھتے ہیں
جگہ سے اپنی ہٹنا عشق میں اک کفر ہے ہم کو
جہاں پر بیٹھ جاتے ہیں، وہیں منزل سمجھتے ہیں

سید عظیم آبادی کے تلامذہ:

باقر کا حلقہ شاد کی طرح وسیع نہ تھا، شاد کے بعد حلقہ تلامذہ جو تھا تو وہ باقر کا تھا۔ باقر کے جانشیں سید عظیم آبادی کے شاگردوں کا دائرہ مختصر ہی تھا۔ اس وجہ سے ان کی سادگی اور دنیاداری سے بے نیازی تھی۔ بہر حال جو لوگ تھے وہ مخلص تھے۔ جو اسمائے گرامی معلوم ہوسکے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ ''مجلس ادب'' مرتبہ عطا کاکوی، کلیم عاجز

۱۔ اظہار الدین اظہؔار
۲۔ عظیم الدین مخمؔور
۳۔ شاہ رفیع الدین رفیؔع
۴۔ ابوالحسن، حسن
۵۔ جے گوپال ماتھر، محشؔر
۶۔ محمد یوسف، مقبوؔل

سید اظہار الدین تخلص اظہؔار

والد کا نام عبدالغفور تھا۔ شیر پور بہار شریف نالندہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی والدہ راقم السطور کی نانی میمونہ خاتون بنت سید فضیلت حسین محلہ چھوٹی تکیہ بہار شریف کی خالہ زاد بہن تھیں۔ پٹنہ میں محلہ باغ کالو خاں میرے گھر کے متصل رہتے تھے۔ لگ بھگ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ میٹرک پاس تھے لیکن فارسی انگریزی اور اردو ادب کی صلاحیت اعلیٰ تھی۔ عروض میں مہارت حاصل تھی۔ بحث میں حصہ لیتے تھے اور اعتراض بھی کرتے تھے۔ ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ رحلت کر گئے پاکستان میں منتقل ہو کر وہیں کے ہو رہے، ان کے بھائی سید محمد سلیم بھی کراچی میں رہتے تھے۔ میں نے ان کی بیاض دیکھی تھی لیکن اشاعت سے شوق نہ تھا اس لئے نمونہ کلام نہیں ملتا ہے۔ ۱۹۴۹ء کے مطبوعہ گلدستہ انجمن رفیق الشعراء میں ان کی غزل کے سات اشعار موجود ہیں:

تارِ نفس، نفس ہے مرا موج آب سے
رشتہ ہے زندگی کو بھی شاید حباب سے
کاجل کی کوٹھری ہے ذرا دیکھ بھال کر
دامن بچا بچا کے جہان خراب سے
کچھ جذب دل کو ہونے تو دو ان سے رسم وراہ
چن لیں گے خود ہی وہ نظر انتخاب سے
او! شہسوار ابلق ایام ہوشیار
ٹوٹی لگام، پاؤں ہے باہر رکاب سے
دل کی صدا ہے یا مرے تار نفس کی لے
جو نغمہ بھی نکلتا ہے تار رباب سے
پانی میں بھی لگائی رخ آتشیں نے آگ
شعلے بھڑک رہے ہیں جو دامانِ آب میں
اظہار سوزش و طپش عشق کیا کہوں
نالے نکل پڑے دل خانہ خراب سے

عظیم الدین مخمؔور

نام عظیم الدین، تخلص مخمور، ۱۹۰۱ء میں پٹنہ سیٹی کے محلہ کوچہ روشن علی نزد کچی گھاٹ پیدا

ہوئے۔ والد کا نام قسیم الدین تھا اور نانا حکیم عبدالرحمٰن جن کا ذکر ''اطبائے بہار'' میں موجود ہے، کی بڑی صاحبزادی زیب النساء، ان کی والدہ تھیں [۱]۔ گلدستہ انجمن رفیق الشعراء کے مطبوعہ گلدستہ ۱۹۴۹ء سے پتا چلتا ہے کہ انجمن کے اساسی رکن تھے اور نائب سکریٹری بھی تھے۔ انجمن رفیق الشعراء کے کئی مشاعرے مخمور کی طرف سے ہوئے ان میں ایک کا حوالہ کلام ثاقب ''سرمایہ نشاط'' میں درج ہے اور مصرع طرح یہ تھا:

مخمور نے رکھا ہے پیمانہ محبت کا''

قاضی محمد سعید کے خط بنام عظیم الدین سے پتا چلتا ہے کہ آپ ۱۹۴۹ء میں انجمن ترقی اردو پٹنہ کے سرگرم رکن تھے۔ قاضی محمد سعید کا خط اس طرح درج ہے:

مکرمی تسلیم

۲۳ ماہ حال [۱۹۴۹] [۲] کو بہار اردو کانفرنس کا انعقاد ہونے والا ہے۔ ڈاکٹر سری کرشن سنہا صاحب وزیر اعظم [۳] کانفرنس کا افتتاح کریں گے اور سر سلطان احمد صاحب صدارت کریں گے۔

کانفرنس کی غرض اردو کے متعلق مختلف اہم مسئلہ پر غور خوض کرنا ہے۔ لیڈی انیس امام صاحبہ کی زیر صدارت ایک مجلس استقبالیہ وضع ہوگئی ہے۔ ہم لوگ کل صاحبان اردو کی اعانت کے طالب ہیں اور آپ سے استدعا کرتے ہیں کہ کل بتاریخ ۱۱/اپریل ۱۹۴۹ء، روز سوموار چھ بجے شام کے وقت بمکان نواب زادہ سید محمد مہدی صاحب [۴] تشریف لا کر شریک مشورہ ہوں۔

قاضی محمد سعید

اراکین وسکریٹری مجلس استقبالیہ بہار اردو کانفرنس

انہوں نے بچوں کے لئے درسیات کی کتابیں بھی تالیف کی تھیں۔ غنچۂ ادب، غنچۂ اردو اور غیر اردو والوں کے لئے ہندی کی کلی، غنچۂ اردو کے آخری سرورق پر، بہ زبان انگریزی یہ عبارت

۱۔ اطبائے بہار میں ذکر موجود ہے۔
۲۔ صدائے عام پٹنہ میں کانفرنس کی رپورٹ موجود ہے۔
۳۔ بہار کے وزیر اعلیٰ
۴۔ یاران میکدہ مرتبہ محمود علی خاں صبا میں ان کے احوال درج ہیں۔

درج ہے:

Approved by Text Book Committees according to new syllabus in common language Notification No. 10211 dated 13th

on 23rd December 1938

The University Press, Patna Price 3 Annas

اس کتاب میں قمرالدین عظیم درج ہے۔ اصل نام قمرالدین تھا اور پرنانا شیخ عظیم کے لاحقہ کے طور پر عظیم لکھا کرتے تھے۔ کتاب شمسی پریس، پٹنہ سیٹی سے شائع ہوئی تھی۔ کلام اور خود نوشت سوانح ۱۹۴۷ء کے فسادات میں تبدیلی مکان کی وجہ سے ضائع ہو چکی ہے۔ ایک مختصر بیاض محفوظ ہے جس میں حافظ سید نورالدین احمد سابق معلم صدر گلی اسکول پٹنہ سیٹی کا کتابت شدہ کلام موجود ہے۔ بیاض کے سرورق پر یہ رباعی درج ہے:

ادارۂ صحرائے محبت ہوں میں — آئینہ انقلاب حیرت ہوں میں
ڈالو مری جانب سبق آموز نگاہ — تصویر رخ جہان عبرت ہوں میں

❁

راقم السطور نے ''مریخ'' پٹنہ کے اول اشاعت میں ایک غزل شائع کی تھی جس کا مطلع تھا:

قفس میں یاد ہو کیونکر نہ آشیاں صیاد
بہار باغ کا آنکھوں میں ہے سماں صیاد

❁

مخمورؔ عظیم آبادی کی مذکورہ بیاض سے چند غزلیں بطور نمونہ کلام درج کی جاتی ہیں تا کہ محفوظ ہو جائیں:

ہم تڑپ کر رہ گئے ابروئے قاتل دیکھ کر
مسکرا اٹھا وہ ظالم ہم کو بسمل دیکھ کر
کاسۂ دل بھر دیا، اپنی شراب عشق سے
دے دیا داتا نے اپنے در کا سائل دیکھ کر

حالت نزع میں آئے وہ عیادت کے لئے
ہٹ گئے بالیں سے میری، میری مشکل دیکھ کر
یہ نشان عاشقی ہیں کشتگان ناز کے
سرتصدق کرتے ہیں وہ عرض قاتل دیکھ کر
کیا ترے مجنوں نے پھیلائے ہیں اب پائے طلب
ہیں کھڑے حسرت زدہ کیوں خضر منزل دیکھ کر
صبح تک جینے کی ہے کب ناتوانوں کو امید
کیا ہوں لطف اندوز اے دل، شام منزل دیکھ کر
فرط حیرت سے ہیں ساکت سب برنگِ آئینہ
قتل گہہ میں قوت بازوئے قاتل دیکھ کر
دے رہی ہے برہمی بزم، حسرت کا سبق
رو نہ دیں کیوں ہمدمو ہم رنگ محفل دیکھ کر
ہے ہمیں حاصل غلامی میں کسی کی یہ وفا
سر و قد تعظیم کو اٹھتا ہے قاتل دیکھ کر
عکس حسن رخ پہ اس کے لگ گئے ہیں چارچاند
مہر و مہہ خجلت زدہ ہیں، رونق دل دیکھ کر
ہم کو تو چپ لگ گئی مخمور اس کے سامنے
بھولے اپنا مدعا وہ روئے قاتل دیکھ کر

❁

دوسری غزلوں کے منتخب اشعار:

واپس نہ آؤں زندگیِ مستعار تک
یارب جو ہو رسائی مری، کوئے یار تک
ڈرتا نہیں ہوں جھونکوں سے بادِسموم کے
چھوڑوں گا میں نہ باغ، امید بہار تک

اتنا بگاڑا چال چلن اپنا ہائے ہائے
باقی نہیں جہاں میں مرا اعتبار تک
صہبائے رنج و غم سے ہے لبریز جام دل
پہنچے گا کوئی مست نہ میرے خمار تک
یوں انقلاب دہر نے پامال کردیا
باقی نہیں رہا ہے نشان مزار تک
مخمورؔ کس کی مست نگاہوں سے مست ہو
کس کی تلاش کرتے ہو فصل بہار تک

❁

میرے قالب سے جاں، ارمان میرے دل سے نکلے گا
ستم گر جب قدم تیرا، تری محفل سے نکلے گا
بچے گی آبرو کیونکر وہاں کے جانے والوں کی
نیا ایک شعبدہ ہر دم جب اس محفل سے نکلے گا
اکھڑ جائیں گے سب کے پاؤں اے دل، یہ وہ کوچہ ہے
محبت میں کوئی ثابت قدم مشکل سے نکلے گا
تمنائے زیارت اور کچھ بڑھتی ہی جائیگی
بڑا ہی کام اے دل دوری منزل سے نکلے گا
کہاں جاتا ہوں میں اب تیری چوکھٹ چھوڑ کر ظالم
کہ دل کا میرے ارماں بس اسی منزل سے نکلے گا
بہت مشکل ہے کھا کر وار، دم لینا، ٹھہر جانا
تڑپ کر ایک عالم کوچۂ قاتل سے نکلے گا
لگی ہے مجھکو تو مخمورؔ ازل سے دید ساقی کی
خدا جانے کہ یہ ارمان کس دن، دل سے نکلے گا

❁

جب سے محبت مجھے اک عرش نشیں سے
لیتے ہیں ضیا شمس و قمر دل کے نگیں سے
کیا ان پہ گذرتی ہے مصیبت پہ مصیبت
پوچھے کوئی یہ حال کسی خاک نشیں سے
ارمان ہی نکلے ہیں نہ ہوتی ہے رہائی
ہوں سخت کشاکش میں دل وجان حزیں سے
مل جائے مجھے دونوں جہاں کی ابھی دولت
ہو جاؤں مشرف جو میں دیدار حسیں سے
ہم خاک کے پتلے ہیں ٹھکانہ ہے کہاں اور
کس طرح نہ الفت ہو مجھے اہل زمیں سے
کھولو نہ بھرم پینے کا مخمورؔ کا یارو
پردہ میرے عیبوں کا نہ کھل جائے یہیں سے

❁

مخمورؔ عظیم آبادی کے دو بیٹے، بڑے بیٹے اختر عظیم آبادی، چھوٹے بیٹے شکیب ایاز، تیسری بیٹی رابعہ خاتون عرف شہناز زوجہ شاہ نورالہدیٰ ابن شاہ نجم الہدیٰ حسن پورہ، پھلواری شریف کا انتقال ہوگیا۔ دونوں بیٹے بفضلہٖ باحیات ہیں۔

عظیم الدین مخمورؔ کا انتقال روز بدھ ۴؍مئی ۱۹۸۸ء میں ہوا۔ دوسرے دن بوقت ظہر جامع مسجد، شاہ کی املی پٹنہ سیٹی سے ملحق قبرستان میں مدفون ہوئے۔ مزار کچا ہے۔ اسی قبرستان میں سید حسن رضا ثاقب عظیم آبادی بھی مدفون ہیں۔

ابوالحسن حسنؔ

سید ابوالحسن نام، حسنؔ تخلص۔ عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ لاولد رہے۔ سیاہ فام تھے۔ داڑھی رکھتے تھے۔ مذہبی آدمی تھے۔ قرآن تیز پڑھتے تھے۔ مڈل اسکول میں استاذ کی حیثیت سے ملازم تھے۔ حبیب الملت حضرت حافظ شاہ حبیب الحق صاحب عمادی، سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ، پٹنہ

کے مرید تھے۔ میلاد خواں تھے اور اچھی میلاد پڑھتے تھے۔

۱۹۶۰ء میں انتقال کیا۔ اس وقت ان کی عمر لگ بھگ ۷۵ سال کی ہوگی۔ ہاتھی خانہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا کلام ضائع ہوگیا۔ گلدستہ انجمن رفیق الشعراء کے ص ۱۱ پر تین اشعار محفوظ رہ گئے ہیں، انہیں نقل کر رہا ہوں:

نسبت ہی کیا گدا کو ہے عالی جناب سے
ذرے کی کیا مثال بھلا آفتاب سے
یوں پھول کر غرور میں بہنا روا نہیں
ٹوٹا اگر کہیں تو ہوا ہے حباب سے
تھرا کے زرد تھا رخ روشن کے سامنے
"ذرے نے نور چھین لیا آفتاب سے"(۱)

سید شاہ رفیع الدین

سید شاہ رفیع الدین نام، رفیع تخلص۔ محی الدین عرف شاہ کمال، رئیس لودی کٹرہ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ شاہ کمال بھی شاعر تھے اور وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے۔ شاہ رفیع الدین نے ۱۹۲۴ء میں بی ایس سی پاس کیا اور ۱۹۲۸ء میں بی ایل کرلیا۔ ایڈوکیٹ ہوگئے اور وکالت کرنے لگے۔ پٹنہ سیٹی میونسپلٹی کے میونسپل کمشنر ہوگئے۔ صدر گلی اردو اسکول کے لئے نئی عمارت بنوائی۔ "یاران میکدہ" میں موصوف نے لکھا ہے کہ بیاض غائب ہوگئی۔ چند اشعار اس سے نقل کئے جاتے ہیں (۲):

چھپایا دامن رحمت نے سب گناہوں کو
اسی سبب سے ہمارا حساب ہو نہ سکا
وہ آئے سامنے چھپ چھپ کے لاکھ پردے میں
مگر نگاہ کو حائل نقاب ہو نہ سکا

۱۔ طرحی مصرع "ذرے نے نور چھین لیا آفتاب سے"۔
۲۔ یاران میکدہ: مرتبہ سید محمود علی خاں صبا

نالے فرقت کے ہیں ایسے کہ زمین کانپتی ہے
آسماں ٹوٹ کے گرجائے نہ اختر کے عوض
نہیں دنیا میں جگہ کوئی بھی راحت کی رفیعؔ
چین ملتا ہے تہہ خاک ہی بستر کے عوض

❁

ساقی نے بھر دیا مرا ساغر شراب سے
بخت رسانے جام لیا، آفتاب سے
روشن ہے سارا گھر رخ تاباں کی تاب سے
صبح شب فراق ہوئی آفتاب سے
ساقی کا فعل ہے کہ یہ قسمت کا کھیل ہے
مجھکو ملا بھی جام تو خالی شراب سے

❁

نہ رونا اپنے بس کا ہے نہ قابو میں ہنسی میری
اشارے پر کسی کے چل رہی ہے زندگی میری
کچھ ایسے کشمکش میں پھنس گئی عمر عزیز اپنی
کہ عاجز زندگی سے میں ہوں، مجھ سے زندگی میری
تھپیڑے کھارہا ہوں پے بہ پے باد حوادث کے
کہ آغوش فنا سے کھیلتی ہے، زندگی میری
رفیعؔ اس پر بھروسا جو کرے وہ سخت ناداں ہے
کسی کی کب ہوئی جو آج ہوگی زندگی میری

❁

آبائی مکان فروخت ہوگیا۔ داماد (جمیل احمد صاحب ام ال اے) کے مکان واقع باغ کالوخاں میں رہنے لگے تھے۔ لگ بھگ پچاسی سال کی عمر میں رحلت کر گئے۔ انجمن رفیق الشعراء کے گلدستے میں بھی آپ کا کلام موجود تھا جو ضائع ہوگیا۔ مطلع اور دو اشعار مزید ''یاران میکدہ'' سے نقل کیے گئے ہیں۔

جے گوپال لال ماتھر، محشؔر

نام جے گوپال ماتھر، تخلص محشؔر۔ ان کے والد کا نام مدن گوپال لال ماتھر تھا۔ دیوان محلّہ پٹنہ سیٹی کے رہنے والے تھے۔ ہندو شعرائے بہار میں ان کا ذکر نہیں۔ سید کے شاگرد تھے۔ راقم نے ان پر ایک مضمون لکھا تھا جو نیا دور لکھنؤ اور بہار پٹنہ میں چھپا تھا[۱]۔ دو رباعیوں میں سید سے تلمذ کا اعتراف کرتے ہیں:

گر مکتب فن میں طفل ابجد ہوں میں
ہم رتبۂ صائب و سرمد ہوں میں
کیوں ہو نہ ظہوری و نظیری کا گماں
جاروب کشِ درگہہ سید ہوں میں

❁

پھولوں میں بہار جاودانی ہوں میں
بلبل کی زباں میں خوش بیانی ہوں میں
اللہ رے فیض بارگاہ سید
محشر اسی دریا کا تو پانی ہوں میں

❁

محشر کے کلام کا انتخاب:

دل میں کانٹا ہے کسی کی شوخی تحریر کا
کر گئیں ہیں وہ ادائیں کام گویا تیر کا
ہے عظیم آباد کے کانٹوں میں پھولوں کی بہار
اک نمونہ ہے یہ خطہ گلشن کشمیر کا
تو نے جو لکھا مرے حق میں وہی ہو کر رہا
تیرا خط شاید نوشتہ ہے مری تقدیر کا
پتلیوں کی طرح سے اس میں ہے وہ جلوہ نما
میری آنکھیں بھی ہیں گویا چوکھٹا، تصویر کا

❁

کوئی امید بھی نہ ہو تم سے خدا کرے
تم ایسے بے وفاؤں کا کون آسرا کرے

۱۔ جے گوپال لال ماتھر، نیا دور لکھنؤ شمارہ مارچ ۱۹۸۸، ص ۳۷

کچھ بھی مدد کرے جو مرا پیکر خیال
آنکھوں کے سامنے ترا نقشہ رہا کرے

اے جمال یار کب تھی تاب نظارہ مجھے
عین احساں ہے اگر اس شوخ نے پردا کیا

زمانہ مرے حال سے بے خبر ہے
سرہانے فقط بیکسی نوحہ گر ہے
خدا کے ہی پہنچائے پہنچوں عدم تک
کہ ہے وقت کم اور لمبا سفر ہے
جھڑی اشک حیرت کی ہوتی نہیں کم
ان آنکھوں کی برسات آٹھوں پہر ہے

سنبھلا گیا نہ پھر دل پُر اضطراب سے
انگڑائی لینے اٹھے جو وہ فرش خواب سے
دل لے کے میرا آپ چلے جاتے ہیں کہاں
فرمایئے میں پوچھ رہا ہوں جناب سے

اللہ اللہ ری تجلی اللہ اللہ ری ضیا
آفتاب حشر ہے ہر ذرہ کوئے یار کا
کب کسی سے رک سکے گا گریہ بے اختیار
تھامنا ممکن نہیں گرتی ہوئی دیوار کا

ہولی کی تصویر کشی دیکھئے:

نیند میں بھی اس کے رخ کی آئینہ داری رہے
لطف جب ہے خواب کی حالت میں بیداری رہے

میکشوں کو رنگ دے اپنی شراب عشق مئے
آج ساقی بادۂ احمد کی پچکاری رہے
آ و اے محشر چلو بھٹی سے لے آئیں شراب
آج ہے ہولی کا دن کچھ شغل میخواری چلے

راقم السطور کو محشر کے ہاتھ کی لکھی بیاض ان کے بیٹے سے ملی تھی جس میں آٹھ غزلیں اور چھ رباعیاں تھیں جو خط نستعلیق میں تھیں۔ اس سے ان کی مشاعرے میں شرکت، ثابت ہوتی ہے۔ محشر نے خود ہی لکھا ہے: تصنیف کردہ جے گوپال لال ماتھر متخلص بہ محشر'' بیاض سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ۱۳ رجون ۱۹۲۵ء کو بابو بلدیو بہاری، ماتھر حفیظ اور ۱۱ را کتوبر ۱۹۲۵ء کو بابو رگھونندن داس کے یہاں مشاعرے ہوئے تھے جس میں محشر شریک تھے۔ محشر کو اردو ادب کے ساتھ ساتھ ڈرامے کی اداکاری سے دلچسپی تھی۔ وہ ڈراما کلب کے ممبر بھی تھے۔ موسیقی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ بابو مکٹ گرو سے اس فن میں مہارت حاصل کی تھی۔ جے گوپال لال ماتھر ساکن محلہ دیوان، تخلص محشر ۱۹۵۲ء میں فوت کر گئے۔

محمد یوسف مقبول

نام محمد یوسف، تخلص مقبول محلہ شاہ کی املی پٹنہ سیٹی میں رہتے تھے۔ ان کے گھر بھی انجمن رفیق الشعراء، کے مشاعرے ہوتے تھے۔ راقم شریک تھا یا انجمن رفیق الشعراء کے رکن تھے۔ رشتے میں اظہار الدین کے نسبتی بھائی ہوتے تھے۔ ہوائی اڈہ پٹنہ کے عملے میں پیون کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔ دیمک زدہ ہونے کی وجہ سے مقبول کی غزل کے کل اشعار درج نہیں ہو سکے صرف یہی حصہ محفوظ رہ سکا ہے:

کھولا جو شوخ نے رخ تاباں نقاب سے
اک شور ہے کہ .... آفتاب سے

مشاعرے کی شرکت:

اردو زبان ہماری سانس کی طرح ہے۔ زندگی کے لئے سانس جس طرح ضروری ہے،

اردو بھی ہماری زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اردو گھر سے بازار تک جاتی، سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ اس کا عمل دخل تو بین الاقوامی سطح پر نظر آتا ہے۔ مشاعرہ اس زبان کا ایک موثر ذریعہ اظہار ہے۔ یہ قلعہ کی چہار دیواری سے نکل کر میدان تک پہنچی ہے۔ رابطۂ زبان کا ایک با اثر ذریعہ اشاعت ہے۔ مشاعرہ عوام سے ہماری ادبی تہذیب کو روشناس کراتا ہے۔ آج الیکٹرانک میڈیا زیادہ موثر ثابت ہوا ہے۔ لہٰذا اب مشاعرے ٹی وی پر دکھائے اور سنائے جانے لگے ہیں لیکن لال قلعہ کے مشاعرے اس کے باوجود جاری ہیں۔ آج مختلف اردو اداروں کی طرف سے بڑے بڑے مشاعرے ہوتے ہیں اور شائقین اسے شب بھر سنتے ہیں۔ ایسا کہنا غلط نہ ہوگا کہ مشاعرہ اردو زبان کا رابطہ حیات ہے اور قدر مشترک کی امانت۔

''ہماری مشترکہ تہذیب کو جو ثقافتی ورثے ملے، ان ورثوں میں ایک وقیع ورثہ ''مشاعرہ'' بھی ہے۔ مشاعرہ یعنی شاعروں کا ایک ایسا اجتماع جس میں شعرا تقابل اور تسابق کا جذبہ لے کر جمع ہوں اور شائقین سخن کو اپنا اپنا کلام سنا کر دادِ سخن لیں، غالباً ایران اور ایران کے بعد ہندوستان کی ایجاد ہے... اردو زبان کو اسی مشاعرے سے ایک سماجی فائدہ بھی ہوا... ایسی صورت میں اب مشاعرہ ہی صرف ایک ایسی تقریب رہ گئی ہے جس میں ہندو مسلمان یکجا ہو کر ایک دوسرے کے سماجی اور تہذیبی اثرات قبول کریں۔ اس لئے جہاں تک ہندوستانی قومیت کے مفاد کا تعلق ہے اور جہاں تک اردو کے بین الاقوامی مزاج کی بحالی کا سوال ہے، یہ آل انڈیا مشاعرے بلاشبہ ایک عظیم قومی اور لسانی خدمت انجام دے رہے ہیں (۱)۔

مشاعرے کی روایت کے سلسلے میں شبلی نعمانی ''شعر العجم'' میں لکھتے ہیں:

''...اس زمانے میں شاعروں کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مشاعروں کا رواج قائم ہوا۔ اس سے پہلے شعرا بطور خود اساتذہ کی غزلوں پر غزل لکھتے تھے اب (یعنی فغانی کے زمانے میں) یہ طریقہ قائم ہوا کہ کسی امیر صاحب مذاق کے مکان پر شعراء جمع ہوتے تھے۔ پہلے سے کوئی طرح دے دی جاتی تھی سب اس طرح میں غزلیں لکھ لاتے تھے اور پڑھتے تھے (۲)''۔

عظیم آباد بھی کسی دبستان یا مرکز اردو سے پیچھے نہ تھا۔ یہاں بھی عہد راسخ سے کچھ پہلے

۱۔ عظیم آباد کا ایک یادگار مشاعرہ، ص ۳-۴

۲۔ شعر العجم جلد سوم ص ۱۷

مشاعرے کا رواج رہا ہے اور اس کے تاریخی ثبوت ملتے ہیں۔ تذکرہ شورش کے حوالے سے یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے خود عظیم آباد میں مشاعرہ کو رواج دیا۔ شورش ۱۱۷۹ھ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''حسب اتفاق حد صوبہ داری میر کاظم خاں احترام الدولہ بہ صلاح دوستاں و آشنایاں محفل مشاعرہ بروز جمعہ قرار یافتہ و دراں اکثر صاحبان مہربانی فکر اشعار فارسی و ریختہ می فرمودند۔''(۱)

اس سلسلے میں مرتب تذکرہ شورش ڈاکٹر محمود الٰہی لکھتے ہیں:

''شاہ صاحب (رکن الدین عشقؔ) ۱۱۷۹ھ میں بہار آئے۔ ان کے آنے کا زمانہ وہی ہے جو شورش نے ہفتہ وار مشاعرے کا سلسلہ شروع کیا(۲)۔''

تذکرہ شورش کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مندرج شعرا کی شرکت مشاعرے میں طے ہے ان کے علاوہ بھی ہو سکتے ہیں جن کا ذکر تذکرہ شورش میں نہیں ہے۔

(۱)	خواجہ امین الدین امیںؔ	ص ۸۷
(۲)	میر جبار علی بسملؔ	ص ۱۸
(۳)	مرزا علی رضا تمنا	ص ۱۳۰
(۴)	اصالت خاں ثابت	ص ۱۴۰
(۵)	میر منو حیراںؔ	ص ۲۲۳
(۶)	میر محمد رضا، رضا	ص ۲۶۱
(۷)	لالہ بنگالی لعل شادان	ص ۳۳۲
(۸)	میر حمزہ علی رند	ص ۲۶۸
(۹)	میر احسن شیونؔ	ص ۴۱۰
(۱۰)	ضیاء الدین ضیا	ص ۴۱۵
(۱۱)	اشرف علی فغاں	ص ۴۵۰
(۱۲)	میاں علی بخش مفتون	ص ۵۱۲

۱۔ تذکرہ شورش مرتبہ محمود الٰہی، ص ۲۶
۲۔ تذکرہ شورش، ص ۲۲

(۱۳) میرِ محمدی نعیم مخلص ص ۵۲۸

(۱۴) محمد وارث علی نالاں ص ۵۳۰

''حیات فریاد'' میں درج ہے کہ راسخ عظیم آبادی نے سراج کی غزل پر غزل کہہ کر پڑھی تھی:

نہیں ہوش والوں پہ کچھ حسد مجھے رشک ہے تو انہوں پہ ہے
جنہیں تیرے جلووں کے سامنے مری طرح بے خبری رہی

ابوتراب کے کاشانہ دولت پر بھی بڑے بڑے مشاعرے ہوئے۔ ان مشاعروں میں بھی راسخ اکثر و بیشتر شرکت فرمایا کرتے تھے (۱)۔ مشاعرے کی محفلوں سے ایوان عظیم آباد کبھی خالی نہیں رہا۔ مضافات میں بھی مشاعرے ہوتے تھے۔ پھلواری شریف ایک قصبہ تھا۔ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں اس قصبے کی اہمیت تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے۔ عماد، مجیب، سجاد، طپاں، ظہور، فرد، جوہری اور کتنے ہی ایسے نام ہیں جو ہماری ادبی تاریخ کا حصہ ہیں۔ یہاں بھی مشاعرے ہوئے۔ ۱۲۵۱ھ جمعہ کی شب شاہ وصی احمد وصیؔ کے مکان پر متعدد مشاعرے ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ ہفتہ وار مشاعرے بھی ہوئے ہوں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا (۲)۔

اس مشاعرے میں ان شعرا کی غزلیں و اشعار بیاض میں موجود ہیں:

(۱) محمد فرید، فرید، (۲) مولوی یحییٰ (۳) شیر علی خاں مشتاق (۴) میاں احمد گدا (۵) حسن عسکری مفرد (۶) اسحاق (۷) میاں فضلو نرائن بابا (۸) فضل حسین فضل (۹) مفرد (۱۰) علی اعظم، اعظم (۱۱) نعمتی (۱۲) قمر

مقالات قاضی عبدالودود میں درج ہے کہ بیاض خانقاہ مجیبیہ کے حوالے سے دیئے جارہے ہیں۔

عظیم آباد کی ادبی تواریخ کے اوراق پر یہ بھی درج ہے کہ کنور سنگھ راجہ بہادر رحمتی کے در دولت پر ماہانے مشاعرے ہوتے تھے۔ ''گلدستہ رحمتی'' اس کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔ ''حقیقت بھی کہانی بھی'' میں درج ہے کہ ''۲۴ راگست ۱۸۷۸ کو حسب معمول مشاعرہ... اژدھام ہوا۔ داغ کی شرکت یقینی تھی مگر معذرت نامہ آیا۔ دونوں طرحوں میں غزل مرزا شاغل کو بھیج دی تھی (۳)۔ شاغل کے علاوہ وحید الہ آبادی، شاد عظیم آبادی، منشی کملا پر شاد عاجز کے علاوہ اور شعرا

۱۔ عظیم آباد کا ایک یادگار مشاعرہ، ص ۳۵ ۲۔ مقالات قاضی عبدالودود
۳۔ حقیقت بھی کہانی بھی، ص ۵۰۸

بھی ہوں گے۔اس سلسلے میں ''گلدستہ رحمتی'' سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

غرض کہ مشاعرے کا تسلسل کسی نہ کسی طور پر قائم رہا۔اس سلسلے میں دیکھا جائے کہ کن کن اہم مشاعرے، نشستوں، ادبی محفلوں میں سید حسن سید عظیم آبادی نے شرکت کی۔ یہ گذشتہ سلسلے کی ایک شاندار کڑی ہے۔

۱۲ - ۱۳ را پریل ۱۹۱۹ء کو خانقاہ شاہ ارزاں قدس سرہٗ کے وسیع شاندار ہال میں ایک کل ہند پہلا مشاعرہ سجادہ نشیں حضرت سید شاہ حامد حسینؒ کی صدارت میں جس کے وہ خود داعی تھے، منعقد ہوا۔اس دوروزہ مشاعرے میں لگ بھگ ۹۱ شعراء نے شرکت کی۔اس موقع پر تصویر بھی لی گئی۔حروف تہجی کے اعتبار سے تمام شعرا کی طرحی غزلیں ''تاج'' گیا کے شمارے جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۲۰ میں مع تصویر طبع ہوئیں۔باقر عظیم آبادی کے سامنے سائل دہلوی بیٹھے ہیں۔نمائندہ شعرا میں مندرجہ ذیل شعر کے چند نام درج کئے جاتے ہیں:

(۱) سائل دہلوی، (۲) احسن مارہروی، (۳) سید علی محمد رنجور تلمذ شمس لکھنوی (۴) محمد عابد کوثر تلمذ امیر لکھنوی، بیرون بہار کے شعرا کے ساتھ ساتھ مقامی شعرا کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی مثلاً فضل حق آزاد، منشی میر محمد باقر، عین الحق ثمر آروی، سیما ہمدانی، سید شاہ قتیل داناپوریؒ، تمنا عمادی، سید شاہ صبیح الحق عمادیؒ، یوسف حسین رنجور، غلام رسول حسرت، مقصود گیاوی، سید شاہ محمد محسن داناپوریؒ، ڈاکٹر مبارک حسین مبارک، سید شاہ غلام حسین گلؒ حمید عظیم آبادی، ، عبدالعزیز حیراں موجود تھے۔اس اہم مشاعرے میں سید عظیم آبادی کی شرکت اس بات کا ثبوت ہے کہ عظیم آباد کے شعرا میں ان کی شخصیت اہم شاعر کی تھی۔سید کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں:

سوئے مقتل جو ہمارا ستم ایجاد آیا
انگلیاں سب نے اٹھائیں کہ وہ جلاد آیا

کیا ہی روشن ہے شہیدان وفا کی تربت
شمع لے کر جو پئے فاتحہ جلاد آیا

ہے ستم ان کا مگر رحمت خالق سید
جب کیا ظلم بتوں نے تو خدا یاد آیا

دوسری طرحی غزل کے چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں:

کیوں محبت ہو نہ اس کے ابرو خمدار کی
عمر گذری ہے ہماری چھاؤں میں تلوار کی
منھ اندھیرے آئی کس گل کی سواری باغ میں
آنکھ کھلتے بلبلوں نے راہ لی گلزار کی
کھیلنا اے دل نہ بھولے بھی کبھی شطرنج عشق
ہم کہے دیتے ہیں ناداں ہے یہ بازی ہار کی
گھر سے باہر کر رہی ہے خانہ ویرانی مجھے
کیوں نہ حسرت سے تکوں صورت در و دیوار کی

عظیم آباد میں مشاعرے برابر ہوتے رہے۔ لیکن یہاں اہم مشاعروں کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں سید عظیم آبادی شریک تھے۔ شاد کے شاگرد سید معین الدین قیس کی تحریک پر شاہ اقبال ساکن لودی کٹرہ کی طرف سے ایک عالیشان مشاعرہ ۱۲/اگست ۱۹۲۲ء کو ''اقبال منزل'' میں منعقد ہوا۔ اس یادگار مشاعرے کی رپورٹ ''تاج'' گیا میں نومبر-دسمبر ۱۹۲۲ء کے گلدستہ میں شائع ہوئی۔ اس مشاعرے کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ شاد عظیم آبادی جنہوں نے شرکت مشاعرہ ترک کردی تھی، شریک مشاعرہ ہوئے اور طرحی غزل پڑھی۔ اس مشاعرے کے متعلق سید صادق حسین نہال عظیم آبادی کی رپورٹ کی چند سطریں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں:

۱۲-۱۳/اگست ۱۹۲۲ء بروز شنبہ بعد مغرب شعراء و سامعین موصوف (شاہ اقبال صاحب) کے مکان میں جمع ہونے لگے۔ دس بجتے بجتے مشاعرہ شروع ہوا۔۔ تمام شب خوب خوب غزل سرائی ہوتی رہی اور حسب خواہ داد سخن ملتی رہی۔ نماز صبح کے بعد جلسہ برخواست ہوا۔ ۸/بجے (صبح تک) چائے ناشتہ چلتا رہا... دس بجے حضرت مولانا شاد مدظلہ العالی تشریف لائے۔ طرح کی غزل پڑھی اور بعد کو ایک مرثیہ پڑھا... دوپہر ہو چکی تھی دسترخوان چنا جا چکا تھا۔ الغرض جلسہ برخواست ہوا۔''

شاد نے اس مشاعرے میں طرحی غزل کا یہ دو شعر بھی پڑھا تھا:

میں وہ موتی ترے دامن میں ہوں اے خاک بہار
آج تک دے نہ سکا کوئی بھی قیمت میری

پردہ پوشان وطن تم سے تو یہ بھی نہ ہوا
ایک چادر کو ترستی رہی تربت میری

شآد کے علاوہ اساتذہ کرام میں شریک شعرا میں سے چند نمائندہ کے اسم گرامی یہ ہیں:
(۱) منشی میر محمد باقر عظیم آبادی، (۲) سید شاہ حامد حسین حامد، (۳) حمید عظیم آبادی، (۴) بدر آروی (۵) سید مرتضٰی شیر، (۶) رائے ایسری پرشاد عطا، (۷) غلام رسول حسرت، (۸) مظاہر علی خاں مظہر تلمذ شاد، (۹) سید معین الدین قیس، (۱۰) منشی عبدالعزیز حیراں، (۱۱) بابو پریا لال فطرتی، (۱۲) سید حسن رضا ثاقب (۱۳) شاہ صبیح الحق عمادی، (۱۴) شاہ محمد حسن بسمل، (۱۵) نظام الدین بلخی، (۱۶) علی احمد خبر (۱۷) خواجہ امیر حسن امیر، (۱۸) سید سعید الدین کیف (۱۹) سید شاہ خلیل الرحمٰن وفا تلمذ شاد (۲۰) عین الحق ثمر آروی وغیرہ۔

مذکورہ مشاعرے میں سید حسن سید تلمذ باقر شریک تھے۔ ان کی طرحی غزل کے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں:

حاسدوں نے ابھی دیکھی نہیں جدت میری
اک دن آگ لگادے گی طبیعت میری
کھیل کھیلو نہ سرگور غریباں آکر
کوئی بچوں کا گھروندا نہیں تربت میری
لطف حیران اٹھا سکتا ہے حیرانی کا
آئینہ بن کے ذرا دیکھئے حیرت میری
ہے رواں سلطنت عشق میں سکہ میرا
کیوں نہ ہو مملکت حسن میں شہرت میری
جنس ناچیز ہوں بازار جہاں میں سید
کیا جچے چشم خریدار میں قیمت میری

شآد کے اہم ترین شاگرد اور یاس یگانہ چنگیزی کے استاذ سید علی خاں عرف لاڈلے صاحب بیتاب عظیم آبادی کی رحلت ۱۹۲۸ء کو "بیتاب منزل" مغلپورہ پٹنہ سیٹی میں ہوئی۔ مکان کے قریب قبرستان میں دفن ہوئے۔ راقم السطور نے مزار دیکھا ہے۔ مزار پختہ ہے لیکن کتبہ نہیں۔

اس سانحۂ ارتحال کے موقع پر ''انجمن تلامیذ الرحمٰن'' کی طرف سے ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا اس جلسے میں جن شعرائے کرام نے شرکت کی ان کے اسمائے گرامی بحروف تہجی ''گلدستہ حسرت'' میں درج ہوئے ہیں۔

خان بہادر سید احمد علی خاں احمد، سید عنایت حسین امداد، سید بدرالدین بدر تلمیذ حمید، سید شہاب الدین بیخود تلمیذ شاد، مولوی سید محی الدین تمنا عمادی مجیبی، مولوی حافظ عین الحق ثمر آروی، سید عبدالحمید، حمید عظیم آبادی، علی احمد خبر، سید محمد رضا تلمیذ باقر، سید حسن تلمیذ باقر، سید شرف الدین شرف، سید علی حیدر رشید اتلمیذ شاد، بابو بجرنگ سہائے صنوبر تلمیذ باقر، سید عزیز الحق عزیز تلمیذ شاد، سید عبدالسبحان مائل، ڈاکٹر مبارک حسین مبارک، مخزن الحسنات مخزن، سید مظاہر علی خاں مظہر، سید نصیر حسین نصیر تلمیذ شاد، میر واہب حسین واہب تلمیذ بیتاب،، قاضی حبیب الرحمٰن ہاشمی، محمد شریف فخر۔

مندرجہ بالا فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بیتاب کی شخصیت کتنی مقبول، معروف تھی۔ ہر نقطہ نظر کے شعرا نے اس میں شرکت کی اور تعزیتی کلام پڑھا۔ سید حسن سید عظیم آبادی بھی شریک جلسہ تھے۔ ان کے قطعات تاریخ درج ذیل ہیں:

بیہشی عین ہوشیاری تھی — غش میں دنیا کو خیر باد کیا
مرگِ بیتاب کیا کہوں تجھ سے — تونے ضائع، ریاض شاد کیا

۱۳۴۷ھ — ۱۳۴۷ھ

دیگر

ایک سو دوستوں میں تھا غم شاد — میر باقر کا اک طرف رونا
چل بسے تم بھی چھوڑ کر بیتاب — میرے مشفق مرے کرم فرما
منبع جود و مخزن اخلاق — مایہ دار خلوص و مہر و وفا
تھی غنیمت تمہاری ہستی بھی — تم بھی تھے جان شاعری بخدا
ایسے میں تم تھے لاڈلے مختار — خاتمہ کر گئے وکالت کا
بات رکھتے تھے ذات میں اپنی — شہر میں تھا نہیں یونہی شہرا
کوئی استاد فن نہیں باقی — یا الٰہی یہ کیسی پھیلی وبا
پے بہ پے غم اور دکھ پر دکھ — سامنا آفتوں پہ آفت کا
ہائے ری قسمت عظیم آباد — چار سو چھا گیا ہے سناٹا

سر الف کا اتار کر کہہ دو
اب کے یہ تیسرا چراغ بجھا

۱۹۲۸ء

''انجمن رفیق الشعراء'' ۱۹۲۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے صدر سید حسن سید تھے اور آخری وقت تک اس انجمن کے صدر رہے۔ خوب خوب طرحی مشاعرے ہوئے۔ تمام مشاعروں کی تفصیلات موجود نہیں۔ ایک مشاعرہ ۲۸؍ اگست ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا اس مشاعرے کی طرح تھی:

ذرے نے نور چھین لیا آفتاب سے

اس کا گلدستہ شائع ہوا تھا۔ مشاعرے کی صدارت حسب روایت تنظیم کے صدر سید عظیم آبادی نے کی۔ اس لحاظ سے سید صاحب کی غزل سب سے پہلے گلدستہ میں درج کی گئی ہے۔ مشاعرے میں شعرا کی تعداد کافی رہی ہوگی لیکن گلدستے میں صرف نو شعرا کے کلام شائع ہوئے تھے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) سید حسن سید (۲) عبدالعزیز حیراں (۳) حکیم محمد رضاؔ (۴) سید اظہار الدین اظہار (۵) عظیم الدین مخمورؔ (۶) شاہ عبدالمنان مظہر گیاوی (۷) علی احمد خبرؔ (۸) ابوالحسن حسن (۹) شاہ رفیع الدین رفیع (۱۰) محمد یوسف مقبول (۱۱) نند کشور لال کشور

گلدستہ میں مطبوعہ طرحی غزل گو شعرا کا انتخاب درج ہے:

دنیا الٹ کے رہ گئی کیا انقلاب سے
ذروں کی چوٹ چلنے لگی آفتاب سے

تسبیح کے امام ہیں سیدؔ جہاں میں ہم
اپنا شمار کیوں نہ ہو خارج حساب سے

(سید حسن سیدؔ)

اس رشک مہر کے کرم بے حساب سے
ہم اہل نور ہو کے رہے بو تراب سے

بننا ہے شہسوار اگر راہِ عشق میں
باہر نہ اپنے پاؤں نکالیں رکاب سے
(حکیم محمد رضا، رضاؔ)

شرمندہ شکر ہے کرم بے حساب ہے
بے مانگے ملتا رہتا ہے تیری جناب سے

رکھا کریں خبرؔ پہ نگاہ کرم مدام
یہ عرض ہے ہماری رسالت مآب سے
(علی احمد خبرؔ)

تارنفس، نفس ہے مرا موج آب سے
رشتہ ہے زندگی کو بھی شاید حباب سے

دل کی صدا ہے یا مرے تارنفس کی لے
جو نغمہ بھی نکلتا ہے تار رباب سے
(اظہارالدین اظہار)

مظہر بہار وبادہ، شب ماہ، ماہ رو
رخصت طلب ہے اب تو یہ تقویٰ جناب سے
(شاہ عبدالمنان مظہر گیاوی)

چہرہ کبھی جو کھل گیا ان کا نقاب سے
شرمندہ حسن ہوگیا شرم و حجاب سے

ساقی کی چشم مست کا امیدوار ہوں
مخمورؔ ہوں جو دور ہوں جام شراب سے
(عظیم الدین مخمورؔ)

نسبت ہی کیا گدا کو ہے عالی جناب سے
ذرے کی کیا مثال بھلا آفتاب سے

یہ بھول کر غرور میں بہنا روا نہیں
ٹوٹا کہیں اگر تو ہوا ہے حباب سے
(ابوالحسن، حسن)

ساقی نے بھر دیا مرا ساغر، شراب سے
بخت رسا نے جام لیا آفتاب سے
(شاہ رفیع الدین، رفیع)

گلدستے کی کرم خوردگی کے باعث دیگر شعرا کے کلام نہیں درج کیے جا سکے ہیں۔

''انجمن رفیق الشعراء'' پٹنہ سیٹی کے آخری یادگار مشاعرہ ۱۹۵۷ میں منعقد ہوا۔ صاحب مشاعرہ عبدالعزیز حیراں تلمیذ باقر تھے۔ وہ علیل تھے اور ان کی تمنا تھی کہ آخری بار دوستوں کو سن لوں اور ان کے کلام سے لطف اندوز ہوسکوں۔ چنانچہ ان کے جائے رہائش محلہ سوئی کی مسجد پٹنہ سیٹی میں ایک کشادہ مکان میں بعد نماز مغرب مشاعرہ منعقد ہوا۔ پہلی بار ایسا ہوا کہ غیر ممبران نے غزلیں سنائیں۔ مشاعرہ کی صدارت سید حسن سید نے کی اور شرکائے مشاعرہ میں مبارک عظیم آبادی تلمیذ داغ، حمید عظیم آبادی تلمیذ شاد، سید حسن رضا ثاقب، حکیم محمد رضا، رضا، عظیم الدین مخمور، اظہار الدین اظہار، کلیم احمد عاجز، عبدالحکیم اثر تلمیذ حیراں، مسلم حمیدی (مسلم شمیم پاکستان)، متین عمادی، اختر عظیم آبادی، تبسم حمیدی (احمد تبسم)، نند کشور لال کشور، شفیع حیدر، حیدر، سعید رضا گہر، شکیب ایاز وغیرہ۔

مشاعرہ فجر کی نماز کے بعد تمام ہوا۔ رات کے کھانے کا شاندار نظم تھا۔ وقفہ وقفہ چائے، پان کا دور جاری رہا۔

سیّد عظیم آبادی کی شاعری:

اردو شاعری میں جو مقبولیت غزل کو حاصل ہے، وہ کسی دوسری صنف میں کسی صنف کو نصیب نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ عوامی روابط رہے ہیں۔ ایران سے مشاعرے شروع ہوتے ہیں اور ہندوستان کو بھی مسخر کرلیتے ہیں۔ فارسی کے ذریعہ مراختے کا شوق ہندوستان پہنچا اور اس نے مقبولیت حاصل کرلی۔ دربار سے ہوتا ہوا مشاعرہ امراء اور روسا کے دیوان خانے تک پہنچا۔ اس نے خانقاہوں کو بھی اپنے حلقہ اثر میں لے لیا۔ امرا نے اس کو رواج دیا۔ لال قلعہ سے بین الاقوامی سطح کے مشاعرے ہونے لگے ہیں۔ مشاعرے کی مقبولیت کا سبب غزل رہی ہے۔ غزلیں سماع خانوں میں سنی جانے لگیں پھر اس نے ٹی وی، ریڈیو اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع تک اپنی دسترس حاصل کرلی۔ فلمی دنیا میں اس نے قدم رکھا اور عوام کو اپنے حلقہ اثر میں کرلیا۔ عوامی زندگی میں غزل کی مقبولیت نے اسے عروج عطا کیا۔ بیرون ملک میں مشاعرے ہوتے ہیں اور غزلیں سنی سنائی جاتی ہیں۔ موسیقی کاروں نے بھی اسی صنف کو اپنی آوازوں سے عوامی بنایا ہے۔

غزل ایک ایسی صنف شاعری ہے جس میں عربی اور ایرانی دو رنگوں کی حسین آمیزش پائی جاتی ہے جس کی تشکیل و تعمیر میں فارسی شاعری کا زبردست حصہ رہا ہے۔ شاعری میں جو مقبولیت اور قبولیت غزل کو حاصل ہے، وہ کسی اور صنف شاعری کو حاصل نہیں۔ غزل اپنی غنائیت کی خوبیوں سے ممتاز و ممیز رہی ہے۔ موسیقی سے اس کا بڑا گہرا اور مضبوط رشتہ رہا ہے۔ تمام بحریں ترنم کا سرچشمہ ہوتی ہیں۔ اس کے سانچے میں غنائیت کی روح جاری و ساری ہے۔ غزل کے ممتاز و منفرد ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ بہ یک وقت ایک ہی سانچے میں متعلقہ انسانی جذبات و احساسات، تصورات و نظریات، خیالات و کیفیات کا احاطہ کرلیتی ہے۔ ہر شعر میں لطیف موسیقی ہی نہیں بلکہ فن مصوری کی دلاویزی اور سحر کاری کی فضا بھی ملتی ہے [1]۔

وزن ایک لحاظ سے موسیقیت کا دوسرا نام ہے۔ شعری وزن کے التزام سے موسیقیت اور نغمگی میں کچھ افادی پہلو بھی نمایاں ہوجاتے ہیں۔ غزل کا دوسرا جزو قافیہ ردیف ہے جس کے صحیح اور موزوں استعمال سے ہی شعر میں لفظی حسن پیدا ہوسکتا ہے۔ قافیہ اصطلاح شعر میں کلید موسیقی ہے۔ جس کے برمحل استعمال سے غنائیت پیدا ہوتی ہے۔ وزن، قافیہ، ردیف کے امتزاج سے مطلع

۱۔ رسالہ نگار 'ہندوستان' ۱۹۲۹ء از اختر اورینوی

کی تشکیل ہوتی ہے چوں کہ غزل کا پہلا شعر مطلع ہوتا ہے۔ دراصل یہ غزل کا نقطۂ آغاز ہے۔ فضا کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ (۱)

معنوی روابط کے تحت جو غزل میں غنائیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے وہ موسیقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسیقی کے فنکاروں اور عوام الناس دونوں کو غزل محبوب ہے۔ روز افزوں اس کی مقبولیت میں اضافہ ہورہا ہے۔ غزل تصویریت کا ایک مرصع ومزین نگار خانہ حیات ہے جس میں کائنات اپنا چہرہ اور انسان اپنی جبلت دیکھتا ہے۔ غرض کہ غزل ہر دور میں مقبول صنف شاعری رہی ہے۔

سید عظیم آبادی کی شاعری اس ادبی، علمی اور تخلیقی ماحول میں پروان چڑھی جب ایوان غزل میں وحید، شاد، داغ، باقر، فضل حق آزاد، شوق نیموی، امیر مینائی کے تغزل کی دھوم مچی تھی۔ بساط شاعری پر اقبال کا کلام بحیثیت غزل گو ایک نیا آہنگ اور ایک نئی معنویت سے روشناس کررہا تھا۔ اکبرالہ آبادی کی دورنگی غزلیں مزہ دے رہی تھیں۔ لیکن ایوان غزل میں دو آوازیں بطور خاص نمایاں ہوکر آئی تھیں وہ تھیں شاد اور داغ کی آوازیں۔ تغزل کی یہ دو کیفیتیں متضاد رویہ شاعری کی غماز تھیں۔ داغ دہلی کی دُھلی دھلائی زبان و بیان پر زور صرف کررہے تھے۔ فلسفیانہ خیالات کو بھی سادہ لفظوں میں پیش کرکے ایک مثال قائم کررہے تھے لیکن شاد کا رنگ تغزل کچھ اور کہہ رہا تھا۔ دیکھئے شاد اور داغ کے اشعار:

یہ عالم گیر جلوہ اور یہ حسن مشترک تیرا
خدا جانے ان آنکھوں کو ہوا کس کس پہ شک تیرا — شاد

قابل رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردے ہی پردے میں جو شخص کہ رسوا ہوجائے — داغ

دونوں اشعار آپ کے سامنے ہیں۔ دونوں کی لفظیات میں کیا فرق وامتیاز نظر آتا ہے۔ لہجے، تیور انداز تخاطب کا فرق نمایاں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ دونوں آوازیں ایک دوسرے میں ضم کرگئی ہیں بلکہ ٹکراؤ کا فرق پیدا ہورہا ہے۔ دونوں اپنے اپنے طرز فکر وانداز بیان کے انحراف سے پہچانے جاتے ہیں۔ شاد کا سب بڑا کمال یہی ہے کہ انہوں نے اپنے نئے انداز تکلم سے اردو کے

۱۔ غزل کیا کچھ از ساحل احمد

تغزل کو ایک نئی شناخت عطا کی اور ایوان غزل میں جو داغ کی گونج سنائی دے رہی تھی، اس کے سامنے دوسری آواز تیز اور صاف سنائی دینے لگی۔ یہی آواز بعد میں امتیاز غزل کے رنگ میں یگانہ یاس کے یہاں صاف نظر آتی ہے۔

سید عظیم آبادی بنیادی طور پر ایک غزل گو کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ وہ منشی باقر کے شاگرد و جانشیں تھے۔ باقر کا سلسلہ وحید الہ آبادی سے آتش تک جا پہنچتا ہے۔ آتش کے رنگ تغزل سے دنیا واقف ہے۔ آتش کہتے ہیں:

سبوئے غنچہ ہے معمور، جام گل لبریز
ٹپک رہی ہے شراب، ابر نو بہاری سے

آتش نے کس سادگی سے لفظوں کو آراستہ کیا ہے کہ رنگوں کی تصویر آرائی جاذب نظر ہے۔ جذبہ کی زبان اسکی تھرتھراہٹ لفظوں میں سمودی گئی ہے۔ دیکھئے اسی قبیلے کے شاعر سید اسی مرصع سازی میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں:

صبا کو خدا جانے کیا موج آئی
کہ پھولوں کی بوچھار ہے گلستاں پر

کیا چمن میں دھوپ کی صورت ہے روشن چاندنی
مطلع خورشید میں ہے ماہ تابانِ بہار

شبنم نے دھو دیئے چمن زار حسن کو
جوبن چڑھا ہوا ہے عروس بہار پر

آتش اور وحید کی آمیزش سے اک نیا رنگ تغزل سید کے یہاں نظر آتا ہے

خورشید نہیں اس کے مقابل مرے آگے
میں دھوؤں نہ اس طشت میں تیری کف پا بھی

کلیم احمد عاجز نے ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے، اعتراف کیا ہے:

سید صاحب کے بعد آتش کے گھر کی آگ بجھ گئی۔ سید صاحب بہار میں باقر کے شاگرد

نہیں۔ آتش کے رنگ سخن کے تنہا علمبردار ہیں (۱)۔

اردو کی عشقیہ شاعری میں مستزاد کی ایک روایت رہی ہے۔ ولی کو اگر اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر تسلیم کرلیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ان کے دیوان میں مستزاد کا نمونہ موجود ہے۔ یہ سلسلہ شاد عظیم آبادی تک جا پہنچتا ہے۔ لیکن تواتر سے اساتذہ کے دواوین میں نہیں ملتا۔ مستزاد کے لئے کوئی خاص بحر معین نہیں۔ مختلف بحروں میں مستزاد لکھتے ہیں... مستزاد کے ٹکڑے زیادہ تر بحر ہزج اور بحر رمل با اوزان مفاعف یعنی شانزدہ رکنی آتے ہیں۔ جس طرح صدر و ابتدا میں مخبون و سالم اور اخرب و اخزم کا اجماع عروض و ضرب میں مخبون و مقصورہ اور مخبون محذوف... اس طرح مستزاد میں بھی زحاف کو اسی طرح سمجھنا چاہئے (۲)۔ یہ غزل کی اضافی صورت ہوتی ہے جس بحر و قافیہ میں شعر ہوتا ہے اسی میں اسی بحر کا ایک چھوٹا ٹکڑا شامل کردیا جاتا ہے۔'' شاد کا مستزاد کمال فن کا نمونہ ہے۔ سید کا مستزاد بھی شاد کی بحر میں ہے۔ لیکن جو عاشقانہ فضا و سرمستی وہاں موجود ہے، وہ اس کے برعکس ہے یہاں پورے میں عالم حزن کی تصویر ہے۔ وہاں وصال کا رنگ غالب ہے۔ شاد کہتے ہیں:

بوسہ لینے کا مری خاک کو بھی ہے ارماں تاب اٹھنے کی کہاں
جامہ زیبی کا بھلا اے صنم تنگ قبا کچھ تو دامن کو جھکا

اور سید صاحب اس سے آگے نہیں بڑھتے:

آؤ اب جلد لپٹ جاؤ کلیجے سے مرے کچھ تو تسکین ملے
قہر ہے دل کو مرے قہر جدائی بخدا جان من جان وفا

دونوں کے معاملات عشق کی حدیں ظاہر ہوتی ہیں۔ شاد کے یہاں ولولہ انگیزی کے تیور، رنگ، نقشے ابھرتے ہیں۔ سید عظیم آبادی لجائے شرمائے اپنے محبوب سے ملنے کی درخواست گذارتے ہیں۔ ایک شکایت نامہ ہے جو درج کیا گیا ہے پوری فضا مستزاد کی شاد سے مختلف ہے۔ یہاں حزنیہ لہجہ ہے:

رات دن ظلم و ستم، ہر گھڑی ہیں جور و جفا - اب تو حافظ ہے خدا
ہم سے تم سے تو محبت میں یہ اقرار نہ تھا - ہائے کیا تم نے کیا

۱۔ بہار میں اردو شاعری کا ارتقاء ص ۵۶۰، ۵۶۱۔
۲۔ جامع العروض مرتبہ حمید عظیم آبادی، حجازی پریس، لاہور، ص ۱۰۴

خاک لے غنچۂ دل فصل بہاراں کا مزا- کیا چلے بادصبا
اب زمانے کی روش وہ ہے نہ وہ رنگ مر- کیا کہوں اس کے سوا
اپنی ہستی سے کسی وقت خبردار نہیں- کچھ بھی ہوشیار نہیں
کہیں غفلت کا مری آنکھ پہ پردا ہے پڑا- سخت عبرت کی ہے جا
کیا ہی دیوانگیٔ شوق نے لوٹا ہے مجھے- دل میں سوداغ دیئے
کیا نتیجہ ہے ترے عشق کا اور اس کے سوا- اس کو سوچا نہ ذرا
دل بہلتا تھا جہاں اپنا وہ بستی ہی نہیں- اگلی ہستی ہی نہیں
ہائے کس کس کی محبت کو کریں یاد خدا- زندگی اب ہے بلا
ایک سے ایک ہیں دنیا میں حسیں ماہ جبیں- تم کو معلوم نہیں
انجم و شمس و قمر ایک سے ہیں ایک جدا- چرخ پر جلوہ نما
کچھ بنائے نہیں بنتی ہے مری حالت زار- میں کروں فکر ہزار
کیا مخالف ہے مرے حق میں زمانے کی ہوا- تجھ پہ ہو فضل خدا
پہلے واقف نہ تھے اے عشق ترے نام سے ہم- رنج و آلام سے ہم
تجھ سے محفوظ رکھے سب کو زمانے میں خدا- ہے بری تیری ہوا
ہائے کس وقت زمانے کی دورنگی نہ رہی- ایکساں کس کی رہی
رنگ دنیا کا ہمیشہ سے بدلتا ہی رہا- اے بشر ہوش میں آ
تم سمجھتے ہو محبت کی کہانی کہ نہیں- اے مرے یار حسیں
یہ حکایت ہے الگ اور یہ قصہ ہے جدا- کہئے کیا اور پتا
اب وہ میخانہ کہاں بادہ پرستی کے لئے- جوش و مستی کے لئے
اس کی صہبائے محبت کا وہ کچھ ہے جو مزا- ساتھ ساقی کے گیا
آؤ اب جلد لپٹ جاؤ کلیجے سے مرے- کچھ تو تسکیں ملے
قہر ہے دل کو مرے تاب جدائی بخدا- جان من جان وفا
کوئی دن ہجر میں دنیا سے گذر جائیں گے ہم- دیکھو مر جائیں گے ہم
زندگی کا کوئی فرقت میں بھروسا نہ رہا- لو خبر جلد ذرا
سید اپنا کسے اب اور کسے غیر کہوں- کس کا سر پیر کہوں
دوست دشمن کا نشاں کوئی نہ ہے، کوئی پتا- ہے تماشا ہی نیا

مستزاد کی پوری فضا رنج وغم کی کہانی بیان کرتی ہے۔ شاعر رات دن جور و جفا اور ظلم وستم کی اذیت میں مبتلا ہے اس لئے کہتا ہے: اب تو حافظ ہے خدا۔ شاعر ایک شکایت نامہ درج کرتا ہے۔ محبت میں تم سے میرا یہ اقرار نامہ نہ تھا کہ تم اذیت دیتے رہوگے اور میں سہتا رہوں گا۔ محبوب سے شاعر کی ایسی امید نہ تھی ورنہ یہ کیوں کہتا: ہائے کیا تم نے کیا۔ اسی ٹکڑے سے وہ تمام باتیں عیاں ہو جاتی ہیں جو شاعر کی روداد زندگی پر مبنی ہیں۔ زندگی کی خوش گوار فضا کی یاد دلاتی ہیں لیکن حالات نم آلودہ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے شاعر کہتا ہے: خاک لے غنچہ دل، فصل بہاراں کا مزا، کیا چلے بادصبا۔ ''بادصبا کا چلنا'' بند ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ بہار کے دن رخصت ہو چکے ہیں۔ زندگی کی یوں فضا سوگوار ہو چکی ہے۔ زمانے کا رنگ ڈھنگ بدلا ہوا ہے۔ وہ ماضی کے خوش گوار لمحے میسر نہیں جو زندگی کی علامت تھے۔ غفلت کا پردہ آنکھ پر کیوں پڑا رہا۔ شاعر افسوس کرتا ہے کہ میں اپنی ہستی کے نشیب وفراز سے واقف کیوں نہ رہا۔ ہوشیاری کیوں رخصت ہوگئی۔ غفلت کا پردا آنکھ پر کیوں پڑا رہا۔ یہ مقام عبرت ہے۔ شاعر مزید کہتا ہے: مجھے دوسروں نے نہیں لوٹا بلکہ میری دیوانگیٔ شوق اس کی ذمہ دار ہے۔ مرے عشق کا اس کے سوا کوئی اور نتیجہ نہ تھا کہ یہ انجام ہوگا، اس کو ذرا بھی سوچا نہیں۔ وہ تمام در و بام یاد آتے ہیں۔ وہ عمارت، وہ شہر، بستی نظروں کے سامنے گردش کر رہی ہے۔ وہ تمام مقامات ویران ہیں۔ وہاں کے رہنے والے نہ معلوم کہاں گئے؟

ہائے کس کس کی محبت کو کریں یاد خدا۔ زندگی اب ہے بلا۔ شاعر کا اثاثۂ احساس تہس نہس ہو گیا ہے۔ شاعر عشق کے انجام سے اس وقت باخبر ہوتا ہے جب سب کچھ لٹ چکا ہے۔ اسی لئے طنزاً کہتا ہے: تم اس دنیا میں اکیلے نہیں ہو، تم جیسے چاند ستارے، سورج ہر طرف موجود ہیں۔ ''تم تنہا حسین نہیں''۔ شاعر کو اپنی بربادی کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ حالت تو یہ ہے کہ اگر چاہوں کہ حالت زار کو درست کروں تو نہیں کر سکتا۔ ہزار کوشش اور فکر کی گئی کہ موجودہ حالات بدل کر بہتر ہو جائیں۔ زندگی کی خوشگوار فضا قائم ہو سکے۔ لیکن میرے حق میں زمانے کی ہوا نہیں۔ بس خدا فضل کرے تو یہ موسم بدل سکتے ہیں۔ اے عشق ترے نام سے ہم واقف نہ تھے۔ آگے کہتا ہے: اے بشر ہوش میں آ ''بادہ پرستی کے لئے اب وہ میخانہ نہ رہا۔ ساقی کے ساتھ ساتھ سارا نظام میخانہ بدل گیا ہے۔ ساری سرمستی رخصت ہو چکی ہے۔ پوری فضا بدل چکی ہے۔ دوست دشمن کا فرق و امتیاز مٹ چکا زندگی کرنے کا تصور بدل چکا ہے۔ حکایت ہستی بے ربط سی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس دور میں کسی کو اپنا اور کسی کو غیر نہیں کہا جا سکتا۔

سیدؔ کے اسی مستزاد میں پراگندہ خیالی نہیں۔ جو عام طور پر غزلوں میں در آتی ہیں۔ پوری فضا ایک سی ہے۔ اس مستزاد کی پوری کہانی ''وجود زندگی'' کے مرکز خیال کے گرد چکر لگاتی ہے۔ شاعر نے اپنی روداد حیات جذبات و احساسات کی آویزش سے تیار کیا ہے۔ سارا ماحول سامنے نظروں کے عریاں ہو جاتا ہے۔

سید کی طبیعت میں ریزہ خیالی کم کم پائی جاتی ہے۔ مستزاد کے علاوہ دیگر غزلوں میں بھی شاعر کی نکتہ رسی اور نظمیہ رنگ قائم رہتا ہے۔ اس سلسلے میں سید کی ایک غزل ہے وہ درج کی جاتی ہے۔ غزلیہ اشعار کے رنگ و آہنگ جدا اور الگ ایک رنگ نمایاں ہے۔ یہاں کلام کی زیبائش و آرائش جامد نہیں بلکہ حرکی کیفیت کی غماز ہے۔ فضا آرائی کے ساتھ ان کی بولتی تصویر بھی اس غزل میں نمایاں ہے:

کیا بپا کرتی ہے طوفاں چشم تر، برسات میں
آنسوؤں کی اک جھڑی رہتی ہے ہر، برسات میں
کیا بہار دل کشا کی ہے خبر، برسات میں
رہ گئے پر تول کر سب جانور، برسات میں
کھیلتے ہیں رند میکش جان پر، برسات میں
مئے کی اک اک بوند پر اڑتے ہیں سر، برسات میں
کاٹے کھاتا ہے جنوں ہر لمحہ گھر برسات میں
کیا بہار باغ ہے وحشت اثر، برسات میں
اب مرے اشکوں سے دنیا پانی پانی ہوگئی
اک سمندر بن گئی ہے چشم تر، برسات میں
آئینے میں دیکھو بھیگے بھیگے بالوں کو نہ تم
اپنی ہی لگ جائے گی تم کو نظر برسات میں
واہ رے ہنگام نوشا نوش ساون کی جھڑی
لہلہا اٹھا چمن زار نظر برسات میں
دیکھ لیں وہ کاش میرے غنچۂ امید کو
رہتی ہے ہر پھول پر سب کی نظر برسات میں

ہائے رے ان گیسوؤں کی نکہت فرحت فزا
رشک جنت ہے کسی کی رہ گذر برسات میں
نونہالان چمن کیونکر ترو تازہ نہ ہوں
رہتی ہے صبح بنارس، ہر سحر برسات میں
خیر ہو ان آنسوؤں سے قصر تن کی خیر ہو
ڈھیر ہوجاتے ہیں اکثر گھر کے گھر برسات میں
ان کی اک چشمک میں میخانے کا میخانہ ہے غش
رند میکش کو کہاں تاب نظر برسات میں
ابرو باراں دیکھ کر کچھ دوڑ جاتی ہے لہر
یوں تو میں پیتا نہیں سید مگر برسات میں

درج بالا غزل کی فضا آفرینی اور اس کے دروبست کی نشہ آگیں کیفیت کا بیان کتنا دلچسپ ہے ابروباراں کی لہر پوری غزل پر چھائی ہوئی ہے۔ نونہالان چمن تروتازہ نظر آتے ہیں۔ برسات کی ہر سحر، صبح بنارس کی تمثیل معلوم ہوتی ہے۔ چمن زار نظر لہلہا اٹھی ہے۔ ساون کی جھڑی لگی ہے اور یہ ہنگام نوشانوش کی بشارت دیتی ہے۔ پوری غزل میں خیال وفکر کا ایک تسلسل ہے جو جاری وساری ہے۔ یہی انداز تغزل معاصرین شعرا کے یہاں عنقا ہے۔ یہ غزل سید کے طرز فکر واظہار کی شناخت کے لئے کافی ہے۔

کلیات سید کی ابتدا ایک حمد سے ہوتی ہے:

حمد ہے تیری سر بسر نغمہ اک ایک ساز کا
بانگ حجاز پردہ ہے، تیری نوائے راز کا
یاد تو صبح و شام ہے، ہم کو تجھی سے کام ہے
ذرہ نواز نام ہے تجھ سے ہی بے نیاز کا
اپنی طریقت وفا تجھ پہ ہے روشن اے خدا
تو ہے حقیقت آشنا، آئینہ مجاز کا

قدرت بے حساب ہے کون تیرا جواب ہے
ذرہ بھی آفتاب ہے، تیری حریم ناز کا
کیوں نہ ہو تیرے لطف کی، ہم کو امید ہر گھڑی
رشتہ ہے اپنی بندگی سلسلہ دراز کا
میری خطا سے درگذر، صدقہ شاہ بحر و بر
ساتھ ہی جائے مرنے پر توشہ تری نماز کا
اس کی ہی کائنات ہے، اس کی ہی ساری بات ہے
سید اسی کی ذات ہے، آئینہ فخر و ناز کا

درج بالا غزل ایک نظم ہو سکتی ہے۔ یہ بحر نہایت مترنم ہے اسے بحر رجز مثمن مخبون کہتے ہیں۔ صوتی نظام کے لحاظ سے اس کی اہمیت ہے۔ شاعر نے قافیہ در قافیہ ایک نظام قائم کیا ہے جو نظم کی تشکیل میں معاون ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ نظم کس طرح ہوتی ہے:

(۱) حمد ہے تیری سربسر نغمہ اک ایک ساز کا
بانگ حجاز پردہ ہے تیری نوائے راز کا

(۲) یاد تو صبح و شام ہے
ہم کو تجھی سے کام ہے
ذرہ نواز نام ہے
تجھ سے ہی بے نیاز کا

(۳) اپنی طریقت وفا
تجھ پہ ہے روشن اے خدا
تو ہے حقیقت آشنا
آئینہ مجاز کا

(۴) قدرت بے حساب ہے
کون ترا جواب ہے
ذرہ بھی آفتاب ہے
تیری حریم ناز کا

(۵) کیوں نہ ہو تیرے لطف کی
ہم کو امید ہر گھڑی
رشتہ ہے اپنی بندگی
سلسلۂ دراز کا

(۶) میری خطا سے درگذر
صدقۂ شاہِ بحر و بر
ساتھ ہی جائے مرنے پر
توشہ تری نماز کا

(۷) اس کی ہی کائنات ہے
اس کی ہی ساری بات ہے
سید اسی کی ذات ہے
آئینہ فخر و ناز کا

یہ غزل بھی شاد کی اس غزل کی یاد دلاتی ہے: اٹھ مرے کالی کملی والے، مربوط خیالات شعری آہنگ، لہجہ، اندازِ تکلم ایسا ہے جو دل پر گہرا اثر پیدا کرتا ہے۔ ان کی یہ غزل حمد کے موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ ذات الٰہی کے تمام صفات جو ان کو مرغوب تھے، ان کا شعری پیکر بڑی چابک دستی سے نظم کیا ہے۔

یہاں شاعر کا عجز ہے، انکساری ہے، اللہ کے حضور میں وہ دست برداری ہے یہاں اقبال کا طنطنہ نہیں۔ سپردگی کا احساس پایا جاتا ہے وجہ اس کی شاعر خود بیان کرتا ہے۔ رشتہ ہے اپنی بندگی۔ سلسلہ دراز کا۔ یہ رشتہ اٹوٹ ہے اور بہت سے مراسم قائم، دائم ہیں۔ اے اللہ میرا رشتہ بندگی ہے اور کچھ نہیں۔ قدرت بے حساب ہے کون تیرا جواب ہے، تیری قدرت بے حساب ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تو لاجواب ہے۔ اس مدح کے بعد شاعر خدا کو اپنی گذارشات پیش کرتا ہے۔ شاد کی غزل جس کا ذکر کیا گیا،...... میرے کالی کملی والے' کا انداز فرق ہے۔ وہاں رسول اکرم کی ذات گرامی ہے اور یہاں خدا کا معاملہ ہے۔ شاد نے غزلیت کے رنگ میں نعت رسول پیش کی ہے اور یہاں قدرت بے حساب کے آگے اپنا "رشتہ بندگی" ظاہر کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ سید کے کلام میں بعض غزلیات کی ایک فضا اور ربط خاص پر مبنی ہیں۔ اس لئے ہر ایک غزل کی فضا، دوسری سے

مختلف نظر آتی ہے۔

ایک غزل اور دیکھئے:

جہاں میں ہم یہ سمجھتے ہیں، کچھ نہیں ہم ہیں
مبارک آپ کو صاحب کہ بس ہمیں ہم ہیں

پہلے مصرع میں شاعر اپنی ذات کی نفی کرتا ہے۔ وہ تصور کرتا ہے کہ پوری کائنات اور اس کے این و آن میں اس کو کوئی دخل نہیں ہے۔ تمام تر صورت گری میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اپنی شمولیت سے انکار کے بعد یہ بھی کہتا ہے:

مبارک آپ کو صاحب کہ بس ہمیں ہم ہیں

گویا نفی سے اثبات کی جانب شاعر مڑتا ہے اور مشاہدات و مطالعات کے بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا بھی ہے کہ ''ہم کہیں نہیں ہیں''۔ کس لہجہ اور انداز تکلم سے اپنی بات رکھتا ہے: مبارک آپ کو صاحب کہ بس ہمیں ہم ہیں۔ پورا تیور، لہجہ رنگ و آہنگ سید کی پوری غزل میں موجود ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اقبال کی غزل کی یاد تازہ ہوتی ہے: مجھے فکر جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا''۔

لیکن دونوں کے انداز تخاطب میں خاصہ فرق ہے۔ اقبال کے یہاں ترشی ہے، تیز آواز میں بات کہنے کا تیور ہے لیکن سید دھیمے، مدھم انداز میں اپنی گفتگو شعر کے وسیلے سے کرتے ہیں۔ بہر حال غزل کے ایک نئے آہنگ کا انداز سید کی اس غزل میں موجود ہے جو معاصرین میں ناپید ہے۔

ہے چار سمت فقط حسن و عشق کا جلوہ
زمانے بھر میں کہیں آپ ہیں کہیں ہم ہیں

دنیا حسن و عشق کے جلوے سے معمور ہے۔ اس کائنات کی جلوہ سامانیوں میں میری بھی شرکت ظاہر ہوتی ہے۔ پوری دنیا انسانی کرشمہ سازیوں کی معترف ہے۔ یہ اعترافِ ذاتِ آدم ہے جو فرشتوں سے بھی افضل و اشرف ہے۔ اس نکتے کی طرف اشارۃً شاعر کہتا ہے:

ازل سے رکھتے ہیں عنقا صفت وجود اپنا
برائے نام جہاں میں کہیں کہیں ہم ہیں

''انسانی وجود'' عنقا صفت ہے، ہر چند کہے کہ ہے نہیں ہے۔ وجودیت کے خیالات و فکر تک یہ خیال جا پہنچتا ہے۔ دنیا ہمارے نقش و رنگ سے لالہ زار بنی ہے۔ تخلیقی قوت و احساس تراہی

عطا کردہ ہے۔ انسان اس سے مصرف لیتا ہے اور خود کو ممیز کرتا ہے۔ کبھی لباس تحیّر میں انسان کامل نظر آنے لگتا ہے۔ پوری کائنات عالم تحیر ہے اور ہم اس کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ اس کی وضاحت اس شعر سے اور ہو جاتی ہے۔

ہو دور شمع سے محفل میں کیسے پروانہ
جہاں پہ انجمن آرا ہیں وہ، وہیں ہم ہیں

دنیا ''محفل'' ہے خدا کی ذات شمع ہے اور انسان اس کا پروانہ ہے۔ شاعر دوسرے مصرع میں کُھل کر کہہ دیتا ہے کہ آپ جہاں پہ ''انجمن آرا ہیں' ہم وہیں موجود ہیں یعنی آپ کی انجمن آرائی میں ہمارا بھی آپ ہی کے توسط سے کچھ نہ کچھ دخل ہے۔ گویا لازم وملزوم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ مکالمے کا رنگ بھی اس غزل کے بعض بعض شعر میں در آیا ہے۔

ہے جو سید اس گھڑی سامنے، اسی بدنصیب غلام نے
اسی شعر گو کے کلام نے، دیئے حسن تیرے جمال میں

یہ ٹکڑا شاعر اپنے فن کا مطالعہ اور محاسبہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے ''اسی شعر گو کے کلام نے، دیئے حسن تیرے جمال میں'' جس نے اپنے کلام کے ذریعہ غزل کے حسن کو نکھارا سنوارا اور بقائے دوام عطا کیا۔ زیر نظر شعر سے ایک مکالماتی انداز تکلم ظاہر ہوتا ہے۔ اس غزل کے کئی اشعار ایسے ہیں جس پر گفتگو کی جا سکتی ہے مثلاً یہ شعر:

ہے تمام تر تری گفتگو، ہمہ تن ہوں عالم آرزو
کئی شرح دفتر عاشقی ہے لکھی ہوئی مرے حال میں

شاعر ''وجود انسان'' کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ''ہمہ تن عالم آرزو'' ہے۔ اس سے بہتر طور پر شعر میں تنقید و تبصرہ تجزیہ ممکن نہ تھا انسان کو' عالم آرزو' میں گرفتار پانا، بہت نادر اور نئی بات ہے یعنی پوری انسانی زندگی آرزوؤں کا کرشمہ ہے۔ اس لئے دنیا والوں کو ''شرح دفتر عاشقی'' لکھا گیا ہے۔ ظہور ذات اور اس کی صفات کا اظہار شعر میں بہت بہتر طرز سے ادا کیا گیا ہے۔ یہ شعر زندگی کی معنویت اور حیات وکائنات کی مخفی نگارشات کا کاشف راز ہے۔ تمام تر گفتگو میں جو بات بھی دائرہ فکر میں آجاتی ہے وہ ہمہ تن عالم آرزو کی شرح عاشقی ہوتی ہے۔

جب انسان اپنے ''وجود'' کا علم، اسکی عطا سے حاصل کرلیتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں:

ہے عجیب منظر دلکشی، نہیں ہوش پر بھی کچھ آگہی
ہے بہار کس کے خیال کی مرے عرصہ گاہ خیال میں

اور یہ بھی کہہ اٹھتا ہے:

تو ازل کے دن سے ہے روبرو، کوئی بے سبب نہیں تو ہی تو
وہ حریم ناز کی گفتگو ہے ابھی تک اپنے خیال میں

''وہ حریم ناز کی گفتگو'' اللہ سے فرشتہ کا مکالمہ ہو یا ''معراج کی گفتگو'' بہر حال کچھ ہو وہ حریم ناز کی گفتگو کی لذت اب تک اپنے خیال میں پورے آب و تاب سے موجود اور محفوظ ہے۔ وہ ایسا سی ڈی ہے جو اپنا تمام نقش دل و دماغ پر مرتب کر دیتا ہے۔ حریم ناز کی گفتگو میں کسی صاحب مجلس کے روبرو ہوئی معمولی سی بات نہیں۔ آپ جن اشعار سے محظوظ ہوئے وہ پوری غزل ایک نئے رنگ و آہنگ کی علامت ہے۔

شاعر اپنے اردگرد کا نقشہ شعر میں اُتارتا ہے اور چاہتا ہے کہ جو اس منزل پر نہیں پہنچ سکے ہیں وہ بھی اس کی لذت سے ہم کنار ہو جائیں۔ اس لئے شاعر کہتا ہے:

ہے چار سمت فقط حسن و عشق کا جلوہ
زمانے بھر میں کہیں آپ ہیں کہیں ہم ہیں

حسن و عشق کی کرشمہ سازیاں ہیں جو دنیا کی مبدل ہیں۔ نور کی ترشح محسوس کی جاسکتی ہے۔ دیکھی جاسکتی ہے لیکن اظہار پر قدرت شاعر کو ہے وہ چاہتا ہے تو پوری جلوہ آرائی لفظوں میں اتار دے اور اسے قاری کو لذت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ سید کی یہ غزل معاصرین شعرا سے بالکل مختلف ایک نئی جہت وفکر کی غماز ہے۔

سید کی ایک غزل ایسی ہے کہ اگر نظموں کے انتخابات میں ہے شامل کر دیا جائے تو کسی کو ابھی سے انکار نہ ہوگا۔ غزل کا عنوان رکھ دیجئے ''جواہر لال نہرو''

یہ غزل ۱۹۴۸ میں کہی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ آزادی کا موقع تھا۔ غزل یہ ہے:

کس زبان سے میں بتاؤں کیا جواہر لال ہیں
آنکھ کا دنیا کی اک تارا جواہر لال ہیں

کیوں نہ چمکیں اے عروسِ منفعت تیرے نصیب
آج نوشاہوں کے سرِ سہرا، جواہر لال ہیں
سو بتوں کا کیوں نہ یارب میرے گھر انبار ہو
بارشِ رحمت کے اک دریا جواہر لال ہیں
غرقِ بحرِ نیل ہو کیونکر نہ فرعونِ عدو
کمتروں کے حق میں اک موسیٰ جواہر لال ہیں
ان کے قدموں پہ ہے لاکھوں ہی تمنا کا ہجوم
سیکڑوں ارمان کی دنیا، جواہر لال ہیں
ڈوب جاؤں ان کے دھارے میں تو بیڑا پار ہو
آج اک بہتی ہوئی گنگا جواہر لال ہیں
آبِ زر سے آپ کے اوصاف لکھنا چاہیے
آپ بھی دنیا میں اک ہیرا جواہر لال ہیں
ناسمجھ ہیں تیرے ارکانِ حکومت اے بہار
تیری بدنامی کا اک پردا جواہر لال ہیں
ان کے صدقے میں ہے قائم تیری عزت آبرو
تیری خوش نامی کے رکھوالا، جواہر لال ہیں
خیر جینے کی مجھے تیری حکومت میں نہیں
اب مرے ملجیٰ مرے ماوا، جواہر لال ہیں
مار ڈالا ہائے تو نے مارے فاقوں کے مجھے
اک بھروسا میری روٹی کا جواہر لال ہیں
پھر وہی دلّی ہے سیّد راجدھانی ہند کی
پھر اسی تصویر کے پتلا، جواہر لال ہیں

۱۲ اشعار پر مشتمل یہ ایک مختصر سی نظم ہے جو غزل کے فارم میں ہے۔ اس لئے ردیف 'ن' میں شاعر نے شامل کیا ہے۔ اس کے مطالعے سے شاعر کے سیاسی نقطہ نظر اور موقف کا علم ہوتا ہے۔

اس کا موضوع سخن ۱۹۴۸ء کا سنہ ہے جو پورے ہندوستان کے لئے سب سے اہم دور تھا۔ نئی حکومت وجود میں آئی تھی، پنڈت جواہر لال نہرو اس حکومت کے سربراہ تھے۔ وزیر اعظم کا عہدہ کوئی معمولی عہدہ نہ تھا جبکہ ملک مختلف طرح کی تحریکات سے دوچند تھا۔ ایک قافلہ انتقال مکانی کر رہا تھا اور دوسرا قدم جمائے اپنے دہلیز پر بیٹھا، نئی صبح کا انتظار کر رہا تھا۔ شاعر کئی مصرعوں میں حالات پر تبصرہ کرنے سے باز نہیں آتا۔ جس میں قومی فکر شعری سطح پر اپنا اثر ڈال رہی تھی۔ وہ کہتے ہیں:

خیر جینے کی مجھے تیری حکومت میں نہیں

اور یہ بھی کہتے ہیں:

مار ڈالا ہائے تو نے مارے فاقوں کے مجھے

آزادی کے فوراً بعد کے حالات مسلمانوں کے لئے کتنے تنگ تھے، وہ کہنے کی حاجت نہیں۔ جواہر لال مسلمانوں میں بھی مقبول تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جس کلچر سے برآمد ہوئے تھے وہ ہندو مسلم معاشرے کا نمائندہ کلچر تھا۔ اس کی تہذیب، رکھ رکھاؤ، اخوت، قومی یکجہتی یہ ساری چیزیں پیوستہ و آراستہ تھیں اور نہرو اس کے نمائندہ ترجمان سمجھے جاتے تھے۔

ان کے صدقے میں ہے قائم تیری عزت آبرو
تیری خوش نامی کے رکھوالا جواہر لال ہیں
خیر جینے کی مجھے تیری حکومت میں نہیں
اب مرے ملجی میرے ماوا، جواہر لال ہیں
مار ڈالا ہائے تو نے مارے فاقوں کے مجھے
اک بھروسا میری روزی کا، جواہر لال ہیں
پھر وہی دلی ہے سید راجدھانی ہند کی
پھر اسی تصویر کے پتلا، جواہر لال ہیں

❁

۱۲ اشعار پر مشتمل یہ مختصر سی نظم جو غزلیات میں شامل ہے۔ اس پر اگر ''جواہر لال نہرو'' عنوان لگا دیا جائے تو نظم تصور کی جائے گی۔ خیالات مربوط پیش کئے گئے ہیں۔ یہ رسمی نظم نہیں بلکہ طنزیہ تیور بھی موجود ہیں:

خیر جینے کی مجھے تیری حکومت میں نہیں

اور یہ بھی کہہ دیتے ہیں:

مار ڈالا ہائے تو نے مارے فاقوں کے مجھے

آزادی کے فوراً بعد کے حالات پر اک نظر ڈالیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے زمین کتنی تنگ ہو چلی تھی۔ ایک قافلہ جو فرار کی راہ اختیار کر چکا تھا۔ دوسرا توکل باللہ کی منزل میں سر چھپائے بیٹھا تھا۔ جواہر لال جس تہذیب کے پروردہ تھے اس سے مسلمانوں کو توقعات تھیں اسی لئے شاعر کہتا ہے:

اک بھروسا میری روزی کا جواہر لال ہیں

اب مرے ماویٰ، مرے ملجیٰ جواہر لال ہیں

بہار کی حکومت پر شاعر طنز کرتا ہے اور صوبائی انتظامیہ کی اصلاح چاہتا ہے یوں کہتا ہے:

نا سمجھ ہیں تیرے ارکان حکومت اے بہار
تیری بدنامی کا اک پردا جواہر لال ہیں

دیوان سید میں کوئی نظم نہیں۔ لیکن ابھی آپ نے ایک غزل ملاحظہ کی جس کا عنوان ''جواہر لال نہرو'' رکھ دیا جائے تو یہ بہ آسانی نظم کہی جا سکتی ہے۔ شاعر کے دور میں ایسی نظمیں بہت لکھی گئی ہیں۔

سید ہندی، اردو اور فارسی الفاظ کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ایسا نہیں تھا، وہ فارسی سے نابلد تھے۔ دیوان میں ان کی دو فارسی غزلیں موجود ہیں جن کے مطلع اور مقطع درج کئے جاتے ہیں:

اے آنکہ گشت عرش بریں پایگاہ تو
چشمان ما بہ ہر قدمے فرش راہ تو
چشم کرم زسید مکین خود بہ پیچ
سویش بہ بیں کہ ہست سگ بارگاہ تو

لطفیت دریں عشق کہ بیگانہ خویشم
فرزانہ ام اے یار کہ دیوانۂ خویشم

دیدن نتواں است نظر حسن خردرا
سید چہ کنم چارہ کہ دیوانۂ خویشم

فارسی کی دوغزلوں کے علاوہ میں نے شروع کی دس غزلوں سے فارسی تراکیب جو اشعار میں استعمال ہوئی ہیں ان کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں:

''سربسرنغمہ''، ''بانگ حجاز''، ''نوائے راز''، ''ذرہ نوازنام''، ''طریقت وفا''، ''حقیقت آشنا''، ''آئینہ مجاز''، ''قدرت بے حساب''، ''صدقہ شاہِ بحروبر''، ''آئینہ فخرو ناز''، ''رند بلانوش''، ''وسعت کونین''، ''بے خودی شوق''، ''خاک تا بہ فلک''، ''نصیب خلوت ناز''، ''شہید فخروفا''، ''چراغ گشتہ شام مقدر''، ''دوری ظلمات شوق''، ''حلقہ گیسوئے پرخم'' وغیرہ۔

اس کے باوجود شاعر بہ آسانی وہ ہندی الفاظ اپنے شعروں میں اس طرح سے ادا کرتا ہے کہ زبان پر اس کی قدرت کا احساس ابھرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک غزل کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں:

ہمیں دے کے دم اس نے دنیا میں ٹیلا
دغا باز واللہ کیا چال کھیلا
بڑھا اسقدر زندگی کا جھمیلا
کہ میں جان پر آخر کار کھیلا
نہ مارا پھروں کیوں نہ دیوانہ بن کر
حسینوں کا جمگھٹ ہے، پریوں کا میلا
ادھر ان کی جانب خدا کی خدائی
اُدھر ایک میں اور تنہا اکیلا

درج بالا مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی کہ سید اردو فارسی اور ہندی زبان پر قدرت رکھتے تھے۔ اس نقطہ نظر سے معاصرین میں ایک الگ اپنی شناخت کے شاعر ہیں۔ اس لئے سید کہتے ہیں:

ہے تمام تر مری گفتگو، ہمہ تن ہوں عالم آرزو
کئی شرح دفتر عاشقی ہے لکھی ہوئی مرے حال میں

کلیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد[۱]

حمد ہے تیری سر بسر نغمہ اک ایک ساز کا
بانگ حجاز پردہ ہے، تیری نوائے راز کا

یاد تو صبح و شام ہے، ہم کو تجھی سے کام ہے
ذرہ نواز نام ہے، تجھ سے ہی بے نیاز کا

اپنی طریقت وفا، تجھ پہ ہے روشن اے خدا
تو ہے حقیقت آشنا، آئینۂ مجاز کا

قدرت بے حساب ہے، کون ترا جواب ہے
ذرہ بھی آفتاب ہے، تیری حریم ناز کا

کیوں نہ ہو تیرے لطف کی، ہم کو امید ہر گھڑی
رشتہ ہے اپنی بندگی، سلسلۂ دراز کا

میری خطا سے درگذر، صدقہ شاہ بحر و بر
ساتھ ہی جائے مرنے پر، توشہ تری نماز کا

اس کی ہی کائنات ہے، اسکی ہی ساری بات ہے
سید اُسی کی ذات ہے، آئینہ فخر و ناز کا

❁

جو دل بھولے بھٹکے اُدھر لے گیا
تو دن رات شام و سحر لے گیا

بلا سے جو دم فتنہ گر لے گیا
مرا بار خوں اپنے سر لے گیا

پیام اجل تک ہے بس زندگی
یہ اب شام آیا، سحر لے گیا

ترے ہاتھ خیریت اس کی نہیں[۲]
گیا نامہ بر جب خبر لے گیا

وہ گم ہوگئے سن کے قاصد کی بات
جو کھوئے ہوؤں کی خبر لے گیا

طلب کی تھی جس سے خدا کی پناہ
دل زار اس بت کے گھر لے گیا

نہ کر اس کے کوچے کا ہرگز خیال
ارے دل گئے ہم، اگر لے گیا

فن شعر کرتب کی ہے بدّیا
جو دریا میں ڈوبا، گہر لے گیا

یہ دل شوخ چشمی[۳] کا نذرانہ ہے
پڑی جب کسی کی نظر لے گیا

بتائی نہ دل نے بھی وہ رہ گذر
نہ جانے[۴] کہاں راہبر لے گیا

۱۔ شاعر نے اپنے کلیات میں اس کی نشاندہی نہیں کی ہے۔
۲۔ اضافہ مرتب۔ لفظ غیر واضح۔
۳۔ لفظ چشمی اضافہ ہے۔
۴۔ کلیات: جانیں

وہی بے خبر، کچھ خبردار تھا جو دنیا سے اپنی خبر لے گیا
تو ہی یاد تھا سید رفتہ کو
خیال اک یہی ہم سفر لے گیا

❁

ہے فیض زمانے کے لئے عام ہمارا کیا لے گی یہ دنیائے دنی نام ہمارا
انسان ہیں ہم اور بشر نام ہمارا آغاز سے معلوم ہے انجام ہمارا
دشمن کی مصیبت سے ہے آرام ہمارا وہ غیر سے بگڑیں تو بنے کام ہمارا
پھر تازہ ستم کیا کوئی ایجاد کیا ہے کچھ خیر ہو، لیتے ہو بہت نام ہمارا
تجھ سے تو کسی وقت بنائے نہیں بنتی اے عشق ہے تجھ پر یہی الزام ہمارا
کیا اپنی جوانی کو ضعیفی سے تعلق آغاز وہ اپنا تھا[1]، یہ انجام ہمارا
رندان بلانوش ابلتے نہیں ساقی سوخم میں بھی چھلکے نہ کبھی جام ہمارا
تم ظلم کے بانی ہو تو ہم صبر کے موجد وہ کام تمہارا ہے تو یہ کام ہمارا
اک وسعت کونین ہے اس ساغر دل میں ساقی کبھی بھرتا ہی نہیں جام ہمارا
کیا بیخودی شوق کہیں راہ طلب کی اک دوسری دنیا میں ہے ہر گام ہمارا
آتا ہے مرا ذکر تو وہ کہتے ہیں سب سے
سید بھی ہے اک بندہ بندام ہمارا

❁

خدا کا ہے نام اور مرقد کا کونا لحد میں کہاں یار تکیہ بچھونا
کریں کیوں نہ وہ نذر دونے پہ دونا ہے تقدیر اچھی تو مٹی ہے سونا
خدا جانے تقدیر میں کیا ہے ہونا یہ آنکھیں ہیں اب اور دن[2] رات رونا
گلوں کی طرح کیا ہنسی آئے منہ پر کہ شبنم کی صورت ہے قسمت میں رونا
یہ پلکیں ہیں اب اور آنسو کے قطرے گئے دن کہ رہتا تھا موتی پرونا

۱۔ کلیات: اپنی تھی ۲۔ کلیات: دن رات

یوں مرنے کو تو دل سے مرتے ہیں لاکھوں   کٹھن ہے مگر جاں سے ہاتھ دھونا
نہ یوں رات دن سید آنسو بہاؤ
کہ ہے زندگی بھر ابھی تم کو رونا

❁

تڑپ تڑپ کے مرا غمگسار بن جانا   سکون درد، دل بے قرار بن جانا
ہے ان کا کام عروس بہار بن جانا   مرے لئے ہے چمن میں ہزار بن جانا
ہزار آفریں ہے تجھ کو داغ ہائے فراق   ترا ہی کام تھا شمع مزار بن جانا
کسی سے کام نکلنا محال ہوتا ہے   جہاں میں سہل ہے امیدوار بن جانا
ہے عاشقوں کی بدولت یہ شان معشوقی   ہے میرے ہاتھ ترا طرحدار بن جانا
ہمارے ساتھ رقابت کی نامہ بر تونے   یہ کب کہا تھا کسی کا شکار بن جانا
ہوا میں اڑتی پھرے اپنی خاک تابہ فلک   تباہیوں کا مزا ہے غبار بن جاتا
ہماری موت ہوئی یار کو پیام خزاں   تھا اس خبر کو نوید بہار بن جانا
نصیب خلوت ناز و ادائے جاناں ہے   نگار خانۂ جنت نثار بن جانا
چلی ہے عرش کی جانب جوائے دعائے سحر   غریب دل کی مرے تو پکار بن جانا
شہید خنجر نظارہ ہے اگر اے دل   حریم ناز میں نقش و نگار بن جانا
عجیب چیز ہے آئینہ خانۂ دنیا
عجب ہے ایک سے سید ہزار بن جانا

❁

۴۰ء

نیرنگ روزگار ترا داؤ چل گیا   وہ دن گزر گئے وہ زمانہ نکل گیا
تیر نظر غریب عنا دل پہ چل گیا   صیاد تیری آنکھ کا کانٹا نکل گیا
او تیغ بے نیام کچومر نکل گیا   بس اے نگاہ یار کہ اب جسم پھل گیا
مضمر ہے ہر وجود میں ناکامی وصال   دنیا میں جس نے پاؤں رکھا ہاتھ مل گیا

سوز الم سے اشک مرے خشک ہوگئے — کھا کھا کے جوش دل کا لہو سب ابل گیا
ہم سمجھے یہ بھی ہونہ ہو ہے اس کی رہ گذر — جس راستے میں پاؤں ہمارا پھسل گیا
بنیاد قصر تن تھی ہوا پر کھڑی ہوئی — یہ روح کیا گئی کہ محل کا محل گیا
تاب وتواں کی میرے تجھی تک بہار تھی — مرحوم دل تری ہی رفاقت میں بل گیا
واعظ سے ہائے بچ نہ سکی بوند بھر شراب — میخانے بھر کا راز یہ ہم سے ابل گیا
نرگس کی آنکھ موسم گل ہی میں آگئی — سوسن کا منہ بہار کے آتے ہی پھل گیا
سمجھے ہوئے تھے پہلے سے اس شعلہ رو کو ہم — قاصد سے حال پوچھ کے جی اور جل گیا
تکلیف آپ اب نہ کریں اے جناب عشق — حسرت مری نکل گئی، ارماں نکل گیا
دنیائے بے حیا، تری غیرت کہاں گئی — کمبخت تری آنکھ کا، کیا نیل ڈھل گیا
کیا کشت دل پہ برق ادا کی لپک کہوں — خرمن کا خرمن ایک ہی لوکے[۱] میں جل گیا
صحت ترے بغیر مصیبت ہے اے مسیح — اپنی تو موت ہوگی اگر میں سنبھل گیا
بگڑی طبیعتوں سے ہے موصوف اپنی ذات — جس نے مجھے سنبھال لیا، میں سنبھل گیا
موقوف بندگی پہ ہے انسان کا عروج — جب آدمی گرا تو سمجھئے سنبھل گیا
کیا کہئے استقامت ہستی کی داستاں — دنیا وہی ہے اور زمانہ بدل گیا
ہم زندہ رہنے والوں کی دنیا عذاب تھی — دم کیا گیا سرا سے مسافر نکل گیا

سید ہمیشہ میرے چمن میں خزاں رہی
باد بہار کا کبھی جھونکا سا چل گیا

۱۴ء

فخر میخانہ وہ رند خوش مقدر رہ گیا — مجلس ساقی میں جس کے ہاتھ ساغر رہ گیا
آسمان حسن پر وہ ماہ پیکر رہ گیا — زندگی بھر کے لئے اک داغ دل پر رہ گیا
شیشہ دل اس بت نازک کا پس کر رہ گیا — کس کلیجے پر مرے سینے کا پتھر رہ گیا
کون سا تھا وار ظالم کا جو مجھ پر رہ گیا — مجھکو حیرت ہے کہ میں زندہ ہی کیونکر رہ گیا

۱۔ آگ لگانا، بتی لگانا: فرہنگ آصفیہ

پھر چلی تھی حلق دشمن پر وہاں میری چھری
اٹھتے اٹھتے آج اس محفل میں خنجر رہ گیا

عشق میں چھوٹی نہ اس سے کوئی تدبیر وصال
اب زباں پر عاشقوں کا اک مقدر رہ گیا

تجھکو کیا کمبخت اسرار محبت کی خبر
ناصحا للہ تو اب چپ بھی رہ سر رہ گیا

عشق میں چاروں طرف دیوار غم کی اٹھ گئی
سیکڑوں ارمان دل میں بند ہوکر رہ گیا

آج اس کی جان لی کل اس کے دم پر بن گئی
ایک یہی کام آپ کا اے بندہ پرور رہ گیا

کھل چکا ہوتا جہاں میں اپنی مٹی کا بھرم
آسماں ہی اک مرے مرقد کی چادر رہ گیا

آج دنیا میں قیامت کی کسے نیند آگئی
کیوں حریم ناز کا ان کی کھلا در رہ گیا

تھا ترا حسن جوانی یادگار روزگار
اک زمانہ ہاتھ مل کر تڑپ کر رہ گیا

کیا مرا نقش وفا، زینت رہ الفت کا تھا
یادگار عشق گویا، ہر قدم پر رہ گیا

آمدوشد ہی نفس کی اس کے حق میں تھی غذا
آدمی تازندگی گویا ہوا پر رہ گیا

ہجر کی شب دیکھنے کو صبح ناکامی کا منھ
اک چراغ کشتہ شام مقدر رہ گیا

ہائے کیا ہستی تھی ان کے کشتگان عشق کی
اک فسانہ آج تک سب کی زباں پر رہ گیا

کم نہیں ہوتی مسافر دوری ظلمات شوق
یہ وہ رستہ ہے جہاں تھک کر سکندر رہ گیا

حلقہ گیسوئے پُرخم میں جئیں یا اب مریں
تیرے دیوانے کا جنگل ہی میں بس گھر رہ گیا

آتے آتے تھک گیا عاشق کا شہباز اجل
اڑتے اڑتے اس پرندے کا بھی شہپر رہ گیا

سید اپنی زندگی تھی چار دن کی چاندنی
تاقیامت گھر اندھیرا، مرگئے پر رہ گیا

ستمبر ۱۹۲۹ء

ہے انساں آب شور انگیز بحر زندگانی کا
قیامت کا ہے طوفاں خیز جو قطرہ ہے پانی کا

ہمارے دل پر دھاوا ہے نگاہ یار جانی کا
زمیں پر آج کل رخ ہے بلائے آسمانی کا

کیا کیا خاتمہ بالخیر میری زندگانی کا
ترا خنجر سلامت واہ کیا پورا ہے پانی کا

مصیبت کیوں نہ رہ رہ کر اسی پر دم بدم آئے
کہ ہے انساں شکار اے دل بلائے آسمانی کا

قیامت ڈھا رہی ہے گرمی حسن شباب ان کی — اتر آیا زمیں پر آفتاب ان کی جوانی کا
کھڑے مقتل میں مشتاق شہادت بھی ہیں قاتل بھی — خدا ہی خیر اے دل سامنا ہے آگ پانی کا
امید اس کی تمنائیں ہیں اس کی حسرتیں اس کی — بھروسا جس کے دل میں ہے کسی کی مہربانی کا
بہت ہے ڈوبتوں کے حق میں تنکے کا سہارا بھی — سمندر ہے پیاسوں کیلئے دو قطرہ پانی کا
قیامت کیوں نہ ڈھائے دل فگاران محبت پر — شب فرقت اتارا ہے تری شام جوانی کا
سلوکِ خلق سے جل جل کے کیا کیا کچھ نہیں کہتی — نمونہ شمع سوزاں ہے مری آتش بیانی کا

کسی کے غم میں جینے کی تمنا کیا کروں سید
مصیبت میں اک اک لحظہ ہے دوبھر زندگانی کا

❁

دل میں میرے وہ برق تجلا نہیں تو کیا — کوئی اندھیرے گھر کا اجالا نہیں تو کیا
چشمان تر اس اشک فشانی سے فائدہ — پیش نگاہ یار جو رو دیا نہیں تو کیا
راحت ہے صرف عمر دو روزہ کا ماحصل — دنیا میں اپنے عیش کی دنیا نہیں تو کیا
چشمان شوق کیلئے دم بھر کی سیر ہے — دنیا کا کارخانہ تماشا نہیں تو کیا
اس وقت جو بشر ہے وہ وحشی مزاج ہے — بستی اب اس زمانے میں صحرا نہیں تو کیا
کہتے ہو تم کہ چاہنے والا نہیں کوئی — یہ بات سر بسر مرا شکوا نہیں تو کیا
اظہار درد دل میں کروں کس زبان سے — جب اپنے منھ سے آپ نے پوچھا نہیں تو کیا
اب اور کیا ہے شومی تقدیر کا گلا — رونا مرا نصیب کا شکوا نہیں تو کیا
چشم وفا ہے عمر دو روزہ سے اے بشر — مجنوں صفت جنوں نہیں سودا نہیں تو کیا

بیگانہ وار کیجئے سید نہ کیوں بسر
دنیا میں لاکھ ہوں کوئی اپنا نہیں تو کیا

❁

سو دل سے لطف لیتی ہے دنیا بہار کا — کیا کیا کھلا ہوا ہے شگوفہ بہار کا
صحرائے دل کی واہ ری قسمت زہے نصیب — کب موج مارتا نہیں دریا بہار کا

دورِ خزاں کے پاؤں اکھڑتے ہیں باغ سے
فصلِ بہار کرگئی سودا بہار کا
دیوانگی کی چال نہیں چھوٹتی کبھی
اے عندلیب تجھ کو ہے سودا بہار کا
پیری میں دونوں ایک ہیں سید خدا گواہ
جورِ خزاں کا غم ہو کہ رونا بہار کا

کامل یقیں ہے دل کو قیامِ شباب کا
اپنے خیالِ خام پہ پردہ ہے خواب کا
چھپتا نہیں ہے طور کبھی کامیاب کا
قاصد کی چال کہتی ہے مضموں جواب کا
بندہ وہی ہے داورِ روزِ حساب کا
جو ذرہ بن کے کام کرے آفتاب کا
منہ آرہا ہے قطرہ بھی طوفانِ نوح پر
ہر ذرہ وزن میں ہے پہاڑ آفتاب کا
وہ آئیں میرے خانۂ تاریک میں اگر
شب کو چراغ جلنے لگے آفتاب کا
دن رات دیدہ پھاڑے گزرتی ہے باغ میں
کیا جانے لطف نرگسِ بیمار خواب کا
قربان جاؤں چہرۂ رنگینِ یار پر
رخسار ہے کہ پھول ہے گویا گلاب کا
یارانِ رفتہ کو جو میں بھولا تو کیا عجب
دنیا کی بات بات کرشمہ ہے خواب کا
کس طرح ان کو بھولئے بیدار ہو جسے
دل کو خیال کا مرض، آنکھوں کو خواب کا
کیوں کر نہ قدر کیجیے موئے سفید کی
پیری چھڑا کے آئی ہے دھبّا شباب کا
ہے تنگنائے دل ہی میں بنیاد میکدہ
کوزے میں ہی ازل سے ہے دریا شراب کا
ہشیار باش اے دل سرمایہ دارِ عشق
پردہ نہ فاش ہو بتِ عصمت مآب کا
دنیا ہی تک ہے شورش و غوغائے زندگی
دریا ہی تک فقط ہے تلاطم حباب کا
سید سفید بالوں نے سب لطف کھو دیئے
پیری کی ہے ہنسی کہ ہے رونا شباب کا

اپنی بیتابی خاطر کا تقاضا نہ گیا — سب سمجھنے پہ بھی کچھ عشق میں سمجھا نہ گیا
دیکھنے پر بھی زمانے نے نہ دیکھا تجھ کو — لاکھ پردے میں بھی ظالم ترا پردا نہ گیا
بھر دیا درد مرے دل میں کہاں کا یارب — دکھ کسی کا بھی میری آنکھ سے دیکھا نہ گیا
سر اٹھا تا نہ بشر، شکل حباب دریا — زندگانی کے سرِ انجام کو سوچا نہ گیا
منزل عشق ہے اک بھول بھلیاں سید
یہ معما تو فلاطوں سے بھی سمجھا نہ گیا

کھوکر شباب، واقف اسرار ہوگیا — دولت لٹا کے آدمی ہوشیار ہوگیا
مسرور وصل ہوکے بہت زار ہوگیا — کھا کر دوا میں اور بھی بیمار ہوگیا
اک طول روز حشر کا گویا ہے سامنا — دن انتظار کا شب بیمار ہوگیا
دشواریوں میں پہلے کی دشواریاں نہ تھیں — اب سہل ممتنع ہمیں دشوار ہوگیا
اب خاک میں لٹاؤں متاع دل وجگر — کچھ ایسی زک اٹھائی کہ بیمار ہوگیا
پردہ جو گرگیا، دم نظارہ جمال — پیش نظر کھڑی ہوئی دیوار ہوگیا
پیری میں قصر تن کا سنبھلنا محال ہے — گرتے ہوئے مکان کی دیوار ہوگیا
سارا جہاں ہے جرم محبت کا مرتکب — ان کے لئے زمانہ گنہگار ہوگیا
سید تبان دہر سے اللہ کی پناہ
کچھ منھ کھلا کہ بات کا طومار ہو گیا

۱۹۲۹ء

جلوہ جگر تو جو نہ اے انجمن آرا ہوتا — شمع کے حسن کا پروانے سے پردا ہوتا
میرا قاتل جو مرا رشک مسیحا ہوتا — زندگی موت کا دن رات تماشا ہوتا

ڈوبتوں کو جو ترا کچھ بھی سہارا ہوتا ہاتھ تھامے ہوئے خود موجۂ دریا ہوتا
ڈالتے خاک خوشی سے وہ مری ہستی پر میرا دامن تو نہ آلودۂ دریا ہوتا
دیکھ لیتا جو مرے حضرت دل کی صورت ایسے یوسف کے لئے خود وہ زلیخا ہوتا
خواب غفلت میں پڑے رہتے نہ ہم خفتہ نصیب آنکھ خود کھلتی اگر کوئی سہارا ہوتا
شوق کی آنکھ چھپائے نہیں چھپتی اے دل خود نگاہوں سے ہی[1] اظہار تمنا ہوتا
لاج دنیا میں فقط حسن عمل نے رکھ لی ورنہ کیا کیا نہ مرے ذکر پہ چرچا ہوتا
جاگ اٹھتی مرے گوش شنوا کی قسمت اے زباں تو نے اگر اس کو پکارا ہوتا
اللہ اللہ لگاوٹ نگہ جاناں کی سب سمجھتے ہیں کہ ہم سے ہی[2] اشارا ہوتا
دل کے باعث مجھے کرنی پڑی حسرت تیری ورنہ کیوں مورد الزام تمنا ہوتا
ایک قطرہ بھی جو ہم پروہ بہاتے آنسو تشنہ کامان وفا کے لئے دریا ہوتا
موت قصہ نہ چکاتی جو کبھی دنیا میں زندگی کے لئے کیا کچھ نہ بکھیرا ہوتا
آنکھ ہوتی جو یہ نظارہ دنیا سید
شوق دل کے لئے، سر کے لئے سودا ہوتا

❁

چراغ کشتہ کا مقصد اسی منزل سے نکلے گا تری ہی بزم میں پہنچے گا جس محفل سے نکلے گا
ہمارا کارواں جس وقت اس منزل سے نکلے گا تسلی کے لئے گویا اک ارماں دل سے نکلے گا
نہیں آساں کہ بام عرش تک نالہ پہنچ جائے حصار چرخ سے باہر بڑی مشکل سے نکلے گا
تمنائے شہادت جس کے دل ہی میں نہ ہو یارب لہو میں ڈوب کر کیا کوچۂ قاتل سے نکلے گا
دل ویراں ہی[3] مرا آپ کی خدمت کے قابل ہے کہ گھر کا کام اس اجڑی ہوئی منزل سے نکلے گا
بلا بن کر مرے قالب سے میری روح لپٹی ہے خدا جانے دم آسانی سے یا مشکل سے نکلے گا
نہیں کچھ کھیل بیٹھے بیٹھے حسرت کا نکل جانا کہ ارماں لاکھ آسانی میں بھی مشکل سے نکلے گا
نہ تھی امید یہ اے رونق خلد بریں ہرگز کہ انساں آدمی ہو کر تری محفل سے نکلے گا
بھٹکتے ہی پھریں گے عمر بھر ہم خضر کی صورت اگر یونہی دوراہا تیری ہر منزل سے نکلے گا

۱، ۲، ۳۔ کلیات: ہے

ابھی پانی ہی دکھلاتی ہے شمشیر ادا ان کی — کسی دن خود کا دریا بھی اسی ساحل سے نکلے گا
اسی کا نام ہے سیدؔ عبور قلزم ہستی
کہ جو ڈوبے گا دریا میں، وہی ساحل سے نکلے گا

ہے تیرے ہی لئے مرد سر میدان ہونا — اے جنوں اُن سے تو ہی دست و گریباں ہونا
دکھ میں زیبا نہیں حیران و پریشاں ہونا — شومی بخت سکھا دیتی ہے انساں ہونا
آ نہیں سکتی فرشتوں میں بشر کی سیرت — آدمی ہی کے مقدر میں ہے انساں ہونا
یہ شرف پاتے ہیں سودائے محبت والے — سب کی قسمت میں نہیں چاک گریباں ہونا
آنکھیں جلوے ابھی نیرنگ جہاں کے دیکھیں — آئینہ بن کے مناسب نہیں حیراں ہونا
خاک کو خاک ہو جمعیت خاطر حاصل — اس کی قسمت میں ہی لکھا ہے پریشاں ہونا
رہے تا عمر خلایق میں فرشتہ بن کر — یہی دنیا کی نگاہوں میں ہے انساں ہونا
خاک دنیا میں بشر پاؤں جما کر ٹھہرے — ہر گھڑی عمر کی صورت ہے گریزاں ہونا
اے بشر سر بسر اک جرم کا گھر ہے دنیا — اس طرف پھر کے نہ آنا، اگر انساں ہونا
اپنی شرمندگی جرم کہوں کیا سیدؔ
عمر بھر اپنے کئے پر ہے پشیماں ہونا

ہاں اس کو محبت کہتے ہیں جب ہم نے وطن کو چھوڑ دیا
ہر محفل عشرت پروانے نے، بلبل نے چمن کو چھوڑ دیا
مشکل ہوئی ہے عدم میں بھی نظارہ دشت غربت کی
افسوس کہ جانے والے نے، یاراں وطن کو چھوڑ دیا
اک شہر خموشاں میں جو وہ پہنچے فاتحہ پڑھنے قبروں پر
سب جامے سے باہر اتنے ہوئے مردوں نے کفن کو چھوڑ دیا

اب تھامے ہیں ایسے میرے قدم ہیہات، زمین غربت نے
پردیس سمجھ کر میں نے بھی ناچار وطن کو چھوڑ دیا
جب سامنے تیرے بچ نہ سکا کچھ حسن عروس دنیا کا
منھ پھیرلیا ارباب وفا نے ایسی دلہن کو چھوڑ دیا
کچھ دھیان نہ میرا تم کو پڑا یاران گذشتہ چلتے وقت
ہمراہ بھی اپنے لے نہ گئے، مجھ ننگِ وطن کو چھوڑ دیا
دم چھوڑنے والی تھی نہ یہ دنیا، آس تھی جبتک جینے کی
کیا ٹھنڈے سدھارے جنت کو جب روح نے تن کو چھوڑ دیا
اے ملک عدم کے جانے والو، توڑ دی رسم الفت بھی
کیوں اپنی لگائی چھوڑ گئے اور میری لگن کو چھوڑ دیا
یہ پاؤں نکلتے کس لئے سیدؔ گھر میں جو ہوتی اپنی بسر
خود ہم کو وطن نے دور کیا تو ہم نے وطن کو چھوڑ دیا

❁

پیچ دکھلائے تو وہ کاکل پیچاں اپنا
پھر تو ہاتھوں کے ہے پنجے میں گریباں اپنا
ہوں میں کافر جو خیال آئے مری جاں اپنا
درد والے نہیں کرتے کبھی درماں اپنا
تازیانہ ہے نفس کا کہ بلائے جاں ہے
خاک ٹھہرائے قدم عمر گریزاں اپنا
لاکھوں سودازدہ معشوقہ وحشت کے ہیں
کیا ہی باندھے ہے جنوں دشت میں میداں اپنا
ہر قدم سر ہی رہے معرکۂ عشق اے دل
ہاتھ سے جائے مرے شیر نہ میداں اپنا
ہم تو مرکر بھی بنالیں گے کہیں اپنی جگہ
کچھ ٹھکانا کرے ظالم شب ہجراں اپنا
سیر گلزار کو آئے تو کہیں وہ کافر
ہر روش خون سے سینچیں گے مسلماں اپنا
وائے قسمت کہ رسائی کی ہو اب کیا صورت
میں جو جاتا ہوں تو دکھ روتا ہے درباں اپنا
ہائے کیا تیری ادا توبہ شکن ہے کافر
مجھکو ڈر ہے کہ بدل جائے نہ ایماں اپنا
کیوں کروں خون رگ جاں سے نہ دعوت اسکی
ان کا ارمان مرے دل میں ہے مہماں اپنا
اے جنوں تیرے سوا کوئی نہیں ہے ہمدرد
مرتے دم سونپئے اب کس کو گریباں اپنا

ہم سے دیوانوں کا مرنا نہیں آساں کوئی
ملک الموت بھی پھاڑیں گے گریباں اپنا

دست وحشت کو جنوں میں ہیں برابر دونوں
جیسا دامن مراویسا ہی گریباں اپنا

ڈر کسی کو کہ وفا کیش کا خوں ہوتا ہے
کوئی خواہاں کہ نکالے کوئی ارماں اپنا

نا امیدی میں بھی امید بندھی ہے سیدؔ
کچھ نہ کچھ ہو کے رہے گا کوئی ساماں اپنا

ادنیٰ یہ کرشمہ ہے تری چینِ جبیں کا
ڈر ہے کہ الٹ جائے نہ تختہ ہی زمیں کا

ہے جب سے گذر دوستو، اس ماہ جبیں کا
توسیع فلک گوشہ ہے اک گھر کی زمیں کا

دنیا میں نہیں کوئی جواب ان کی نہیں کا
لاکھوں کو کیے بیٹھی ہے پیوند زمیں کا

رویاں نہ سلامت رہا مجھ قبر مکیں کا
اللہ سمٹنا مرے مرقد کی زمیں کا

کیا اوج ہے اے دل بشر خاک نشیں کا
بالائے فلک پاؤں کو دھوکا ہے زمیں کا

اتنے ہی ہوئے سیم بدن خاک میں پنہاں
اک کانِ جواہر ہے جو گوشہ ہے زمیں کا

کس غیرت عیسیٰ نے سرافراز کیا ہے
دنیا میں لقب چرخ چہارم ہے زمیں کا

جائز ہے فرشتوں کو اسی خاک پہ سجدہ
مسجود و ملائک ہے وہ رتبہ ہے زمیں کا

کس جا نہیں سو طرح پہ قدرت کے کرشمے
آنکھیں ہوں تو نظارہ کرو روئے زمیں کا

مر کر بھی کمی کچھ نہ ہوئی دل کی تڑپ میں
ہلچل میں ہے ٹکڑا مرے مرقد کی زمیں کا

منظور نہیں ان کو جو عصمت دری اس کی
نُہ کرسی افلاک سے پردہ ہے زمیں کا

پہلے ہی سے یہ سوئے فلک رکھتی ہے آنکھیں
اونچا ہی ارادہ ہے ہمیشہ سے زمیں کا

معراج نیاز اس کو نصیبوں سے ملی ہے
چمکا ہے مقدر ترے قدموں سے زمیں کا

دنیا کو بھی کھا کر نہ یہ باز آئے گی سیدؔ
تاحشر شکم بھر نہیں سکتا ہے زمیں کا

ہمیں دے کے دم اس نے دنیا میں ٹیلا
دغاباز واللہ کیا چال کھیلا

بڑھا اس قدر زندگی کا جھمیلا
کہ میں جان پر آخر کار کھیلا

خدا جانے کب ختم ہو یہ جھمیلا مصیبت کا دن زندگی بھر تو جھیلا
بشر اس لئے صرف آیا نہیں ہے یہاں چھاؤنی چھائے، یا دیکھے میلا
پڑی کیا مصیبت نہ جان حزیں پر محبت میں کیا کچھ نہ میں جی پہ کھیلا
سنا کر ہوں کہتا کہ دل بیچتا ہوں عجب کشمکش ہو اگر وہ کہے لا
یہاں اب تو بجتی ہے پیری کی نوبت لڑکپن میں تھا نام لڑکا اکیلا
میں مارا پھروں کیوں نہ دیوانہ بن کر حسینوں کا جمگھٹ ہے پریوں کا میلا
نہ پہنچوں عروس سخن تک تو قسمت کہ تا عمر تو میں نے پاپڑ بھی بیلا
ادھر ان کی جانب خدا کی خدائی اِدھر ایک میں اور تنہا اکیلا
جو رحمت تری دیکھی اپنی خطا پر قیامت میں مجرم ترا چھوٹ کھیلا
نہ کیوں ناز ہو اپنی قسمت پہ سید
گرو ہیں ہمارے وہ، ہم ان کے چیلا

❁

ان کی آمد کا دم آخر پیام آیا تو کیا اب صراحی آئی تو کیا اور جام آیا تو کیا
حضرت سید کو کہتے ہیں غلام آیا تو کیا اس بُری صورت زباں پر ان کی، نام آیا تو کیا
ہو نہ جاؤں کس طرح چشم ستمگر میں حقیر انتہا میں ابتدا والوں کا کام آیا تو کیا
ناصیہ سائی مری ہے کسرشان آستاں حکمراں آتے ہیں اس در پر غلام آیا تو کیا
کیوں نہ مشتاق شہادت گھوٹ لیں اپنا گلا فتنہ گر آیا مگر بے اہتمام آیا تو کیا
ساقیا ہے کوئی دم کی یہ بہار زندگی سو صراحی کھل گئی گردش میں جام آیا تو کیا
اور بھی دل میں بھڑک اٹھے مرے جذبات شوق خود تو وہ آئے نہیں قاصد، سلام آیا تو کیا
جی کا آنا اور جانا دونوں معناً ایک ہے دل گیا تو کیا، اگر صورت حرام آیا تو کیا
اے دل بے تاب اخفائے محبت چاہئے مجھ پہ حرف آیا زبانوں پر کلام آیا تو کیا
کس مپرسی میں تو سید زندگانی موت ہے
جب نہ تھا دنیا میں میرا کوئی کام آیا تو کیا

❁

قبول خاطر صیاد روزگار ہوا
جو پھول غیرت گلہائے نو بہار ہوا

غریب بادیہ پیمائے خار زار ہوا
عجیب قیس کو عشق تباہ کار ہوا

ہزار حیف مجھے کب نہ اعتبار ہوا
خلاف وعدہ ترا سو ہوا ہزار ہوا

کہاں سے ہائے کہاں قافلہ فرار ہوا
کھلی کب آنکھ مری کب میں ہوشیار ہوا

امام سبحہ کی صورت نہ تھی مری گنتی
زہے نصیب مرا بھی اگر شمار ہوا

تمام کی ہے حکومت خدا کی قدرت ہے
کہاں کہاں نہ بشر کا بھی اختیار ہوا

[۱] بندھی ہوئی ہے رقیبوں کی ان سے ہی امید
انہیں سے چاہنے والا بھی خواستگار ہوا

زمانہ واقعی ایک حال پر نہیں قائم
ازل کے روز سے تغیر روزگار ہوا

ہمارے عشق کی بابت نہیں ہوئی حاصل
ہزار جی سے گلوں پر فدا ہزار ہوا

قسم خدا کی کروں گا نہ خون کا دعویٰ
ترے شہیدوں میں میرا اگر شمار ہوا

ہے خاص بات مری پستی وبلندی میں
گرا تو خاک میں اٹھا اگر غبار ہوا

تمہاری ذات سے کس کو نہیں کرم کی امید
قصور کیا ہے جو بندہ امیدوار ہوا

گلوں سے رخ کی کوئی دم خزاں نہیں دیکھی
تمہارا حسن ازل سے سدا بہار ہوا

دوگونہ لطف ہے دریائے زندگانی کا
چڑھا تو نشہ جو اترا تو پھر خمار ہوا

فضا بہار کی سید کبھی نہیں دیکھی
خزاں کا دور زمانے میں بار بار ہوا

۱۹۴۶ء

ہم ان کی محبت والوں نے تا عمر یہی اک کام کیا
جو کام ہمارے ذمہ تھا کچھ صبح کیا کچھ شام کیا

کیونکر نہ جوانی یاد رہے کیوں بھولوں نہ کلفت پیری کی
ان آنکھوں ہی آنکھوں رات کٹی جب صبح ہوئی آرام کیا

۱۔ کلیات: بندھی ہوئی رقیبوں کی انہیں سے امید۔

ہیہات کسی کی چالوں کی مٹی بھی ہے بھاری تربت کی
افسوس کہ مرنے والے نے مرکر بھی نہ کچھ آرام کیا
دشمن کی بھی خیر الٰہی ان کی تیکھی چتون سے
رویاں رویاں کانپ اٹھا اور دل نے بھی کہرام کیا
کیسی گذری چاہت میں، پوچھو نہ ہماری حالت تم
رسوائی میں بھی فرد ہوئے، بدنامی میں بھی نام کیا
گو عیش میسر ہم کو نہ تھا، کچھ دل کو لگی تو رہتی تھی
ہو ناس ترا اے یاس کہیں، امید سے بھی ناکام کیا
افتاں خیزاں یار کے در تک سر ہی کے بل جانا تھا
ہائے نقاہت تیرا بُرا ہو، منزل اک اک گام کیا
رہ گئی میرے مرنے کی، اک لاج ہمیشہ چاہت میں
سید[1] ان کی الفت نے صد شکر بخیر انجام کیا

مستزاد

(بماہ فروری ۱۹۴۲ء)

رات دن ظلم وستم، ہر گھڑی ہیں جور وجفا
اب تو حافظ ہے خدا
ہم سے تم سے تو محبت میں یہ اقرار نہ تھا
ہائے کیا تم نے کیا
خاک لے غنچہ دل فصل بہاری کا مزا
کیا چلے باد صبا
اب زمانے کی روش وہ ہے نہ وہ رنگ مرا
کیا کہوں اس کے سوا
اپنی ہستی سے کسی وقت خبردار نہیں
کچھ بھی ہشیار نہیں
کیسی غفلت کا مری آنکھ پہ پردہ ہے پڑا
سخت عبرت کی ہے جا

۱۔ کلیات میں یہ جملہ درج ہے: یہ غزل احمد نامی ایک شخص کیلئے لکھی گئی تھی مگر وہ حضرت مجھے نہ مل سکے۔

کیا ہی دیوانگی شوق نے لوٹا ہے مجھے
دل میں سو داغ دیئے

کیا نتیجہ ہے ترے عشق کا اور اس کے سوا
اس کو سوچا نہ ذرا

دل بہلتا تھا جہاں اپنا وہ بستی ہی نہیں
اگلی ہستی ہی نہیں

ہائے کس کس کی محبت کو کریں یاد خدا
زندگی اب ہے بلا

ایک سے ایک ہیں دنیا میں حسیں ماہ جبیں
تم کو معلوم نہیں

انجم و شمس و قمر ایک سے ہیں ایک جدا
چرخ پر جلوہ نما

کچھ بنائے نہیں بنتی ہے مری حالت زار
میں کروں فکر ہزار

کیا مخالف میرے حق میں ہے زمانے کی ہوا
مجھ پہ ہو فضل خدا

پہلے واقف نہ تھے اے عشق ترے نام سے ہم
رنج و آلام سے ہم

تجھ سے محفوظ رکھے سب کو زمانے میں خدا
ہے بڑی تیری ہوا

ہائے کس وقت زمانے کی دورنگی نہ رہی
ایکساں کس کی رہی

رنگ دنیا کا ہمیشہ سے بدلتا ہی رہا
اے بشر ہوش میں آ

تم سمجھتے ہو محبت کی کہانی کہ نہیں
اے مرے یار حسیں

یہ حکایت ہے الگ اور یہ قصہ ہے جدا
کہیے کیا اور پتا

اب وہ میخانہ کہاں بادہ پرستی کے لئے
جوش مستی کیلئے

اس کے صہبائے محبت کا جو کچھ تھا وہ مزا
ساتھ ساقی کے گیا

آو اب جلد لپٹ جاؤ کلیجے سے مرے
کچھ تو تسکین ملے

قہر ہے دل کو مرے تاب جدائی بخدا
جان من جان وفا

کوئی دن ہجر میں دنیا سے گذر جائیں گے ہم
دیکھو مرجائیں گے ہم

زندگی کا کوئی فرقت میں بھروسا نہ رہا
لو خبر جلد ذرا

سید اپنا کسے اب اور کسے غیر کہوں
کس کا سر پیر کہوں

دوست دشمن کا نشاں کوئی نہ ہے کوئی پتا
ہے تماشا ہی نیا

[۱] سوئے مقتل جو ہمارا ستم ایجاد آیا
انگلیاں سب نے اٹھائیں کہ وہ جلاد آیا

دھیان مرنے پہ مرے اوستم ایجاد آیا
ہائے کس وقت میں مقتول جفا یاد آیا

وحشتیں بڑھ گئیں کچھ اور بھی دیوانوں کی
اک ہوا باندھ گیا جب وہ پری زاد آیا

بلبلیں کانپ اٹھیں، باغ میں تھرّا اٹھیں
دام بردوش کسی روز جو صیاد آیا

شرم سے اپنا لہو ہوگیا پانی اے دل
قتل گہہ سے جو پشیماں مرا جلاد آیا

ایک ہی وار کا افسوس لگا تھا جھگڑا
رحم آیا بھی تو کس دم تجھے جلاد آیا

سخت جانی پہ مری رحم کراب او ظالم
ورنہ اب منہ کو کلیجہ مرا جلاد آیا

اس کے خنجر کی خدا بات بنائے رکھے
سرخرو ہوکے گیا جب مرا جلاد آیا

جذبہ شوق شہادت نے جو کھینچا اس کو
تیوریاں مجھ پہ چڑھائے ہوئے جلاد آیا

کیا ہی روشن ہے شہیدان وفا کی تربت
شمع لے کر جو پئے فاتحہ جلاد آیا

ہائے کس شوق سے شہہ رگ نے اسے لپٹایا
جس گھڑی تابہ گلو خنجر فولاد آیا

دھیان اپنا بھی رہے گل کے سوا اے بلبل
دیکھ ہشیار خبردار وہ صیاد آیا

دام گیسو سے چھٹے جب تو مجھے دی بیڑی
خود ہی زنجیر میں جکڑا ہوا حداد آیا

منع کرتے نہ تھے ہم اے دل ناداں تجھ کو
کیوں وہاں شاد کیا تھا کہ جو ناشاد آیا

کیا کہوں اور بھی کچھ بڑھ گیا سودا اپنا
بیڑیاں دینے مجھے جب سے وہ حداد آیا

اک مصیبت ہے مرے دم کو بہار گلشن
فصل گل آئی کہ میرے لئے صیاد آیا

اب نظر آتی ہے کچھ اپنے وفا کی تاثیر
اب مرے رنگ پہ کچھ وہ ستم ایجاد آیا

ہے ستم ان کا مگر رحمت خالق سید
جب کیا ظلم بتوں نے تو خدا یاد آیا

۱۔ مذکورہ غزل طرحی مشاعرہ کی ایک غزل ہے۔ یہ مشاعرہ ۱۲-۱۳ر اپریل ۱۹۱۹ء کو بانی مشاعرہ حضرت سید شاہ حامد حسین حامد تلمیذ داغ کی صدارت میں خانقاہ شاہ ارزانی قدس سرہٗ منعقد ہوا تھا۔ گلدستہ تاج سے یہ غزل ماخوذ ہے۔

پائیں گے میری بات نہ ہرگز کسی میں آپ
لے کر چراغ ڈھونڈ ھیۓ گا ہر گلی میں آپ
رکھیۓ قدم نہ حضرت دل عاشقی میں آپ
گھبرا کے مر ہی جائیں گے، بے چارگی میں آپ
کچھ اور تو ہوا نہ محبت میں فائدہ
اک صرف ہاتھ آئے مرے دل لگی میں آپ
غصہ ہے بار بار تو جھڑکی ہے دمبدم
سچ کہیۓ مجھکو سمجھے ہیں کیا اپنے جی میں آپ
ایسے میں کوئی حضرت دل پوچھتا نہیں
دست سوال کھینچیۓ بے مائیگی میں آپ
تربت ہے میری فاتحہ پڑھنے سے فائدہ
کیا آئے اب، نہ آئے اگر زندگی میں آپ
کہنے کی بات ہے کہ دہن میں زباں نہیں
کیا کیا نہ کہہ گذرتے ہیں اک خاشی میں آپ
سید سوا خدا کے ہے پرسان حال کون
کس کی پناہ ڈھونڈ ھتے ہیں، بیکسی میں آپ

❁

کچھ پوچھو نہ دیوانہ و رسوا کی حقیقت
یک قطرۂ خوں ہے دل شیدا کی حقیقت
وسعت کوئی دیکھے تو مرے عرصۂ دل کی
اک گوشہ نظر آتی ہے، صحرا کی حقیقت
اس گھر کا بھروسا ہے فقط خام خیالی
کچھ خواب سے بڑھ کر نہیں دنیا کی حقیقت
اف اس دل گریاں کی ہے کیا اشک فشانی
جچتی نہیں کچھ آنکھوں میں، دریا کی حقیقت
جن آنکھوں میں ہے نور بصارت کی تجلی
دیکھیں گی وہی دیدہ بینا کی حقیقت
جنبش میں تو آئے لب جاں بخش کسی کا
کھل جائے گی اعجاز مسیحا کی حقیقت
اس سمت نظر ڈالنی ہی پڑتی ہے سید
ایک کھیل تماشا سہی دنیا کی حقیقت

❁

۱۹۲۹ء

کام آ جائے مرے، اپنے سر انجام کی رٹ
مرتے مرتے بھی زباں پر ہو ترے نام کی رٹ
لطف یہ ہے مری ہر بات سے تو واقف ہو
جب خبر تجھ کو نہیں یار تو کس کام کی رٹ
کیوں نہ ساقی سے کروں میکشو ہر بار سوال
رند مشرب ہوں، زباں پر ہے مۓ و جام کی رٹ

نام تیرا ہی مرے وردِ زباں ہے اے دوست — تو ہی تو یار ہے میرے دلِ ناکام کی رٹ
آج کی رات جو آنے کا ہے وعدہ سیدؔ
ہجر کے روز مجھے، صبح سے ہے شام کی رٹ

بے حجابی ہے تری جلوہ گری کا باعث — شوخیاں پردے میں ہیں پردہ دری کا باعث
مجھ سے منہ پھیر لیا آہ رسانے میری — ہائے کھلتا نہیں کچھ بے اثری کا باعث
گدگدی اتنی مجھے آپ لگائیں نہ حضور — یہ ہنسی ہو نہ مری نوحہ گری کا باعث
آنکھ کھلتی ہے تو سکتہ مجھے آجاتا ہے — ہوش ہی عشق میں ہے بے خبری کا باعث
ہم نکمے ہوئے کس طرح کہیں کیا سیدؔ
ہوئی راحت طلبی بے ہنری کا باعث

بیٹھا ہے مرے پاس مرا راحت جاں آج — اترائی ہوئی کیوں نہ پھرے منہ سے زباں آج
اللہ رے مری تشنگیٔ شوق شہادت — باہر نکل آتی ہے مرے منہ سے زباں آج
آنکھیں ہوں تو دیکھے کوئی نیرنگیٔ دنیا — کل فصل بہاری تھی تو ہے دورِ خزاں آج
سننے کے لئے بیٹھے ہیں وہ میری کہانی — طرؔارنہ کیوں بن کے چلے منہ میں زباں آج
کرنی ہی پڑے گی دلِ بسمل کی تسلی — آئے ہیں تو وہ چھوٹ کے جائیں گے کہاں آج
سیدؔ نہیں معلوم ہے کیا دل پہ اذیت
رہ رہ کے ابھرتا ہے مرا دردِ نہاں آج

سمجھنے لگے اب وہ ہر جھوٹ سچ — کہاں تک چلے نامہ بر جھوٹ سچ
انہیں سے ہے انکا زمانے کا کام — سکھائیں نہ کیوں مال و زر جھوٹ سچ
چلے گی خدا سے نہ کچھ حشر میں — کہ چھپتا نہیں اے بشر جھوٹ سچ

نہ مانے کسے، کسکو مانے کوئی اڑاتی ہے دنیا خبر جھوٹ سچ
کشاکش میں ہو کیوں نہ جانِ حزیں کہ ہے زندگی مختصر جھوٹ سچ
زباں ہو وہ طرّار منہ کردے بند سخن وہ کہ ہوجائے ہر جھوٹ سچ
خدا کو بھی سیّد دکھانا ہے منہ
شب و روز، شام وسحر جھوٹ سچ

۱۹۲۹ء

ہوتی نہیں ہے کم خلش دل کسی طرح کیا حل کروں میں عقدۂ مشکل کسی طرح
اف اف یہ قتل عام یہ تلوار کی چمک شل ہو نہ جائے بازوئے قاتل کسی طرح
منجدھار میں پڑی ہے مری کشتی حیات پہونچے بھی کاش طالب ساحل کسی طرح
غربت کی موت کیا مری قسمت میں ہے لکھی گھٹتی نہیں ہے دوری منزل کسی طرح
دیکھوں تو کیسے بنتے ہیں وہ شمع بزم غیر ان کو دکھا دوں جلوہ گہ دل کسی طرح
فیض قدم سے گھر کی زمیں آسماں ہوکیا کھنچے بھی ان کو جذبۂ کامل کسی طرح
کرتا جو رہبری نہ مری، شوق دیدیار کٹتی نہ راہ خضر کے شامل کسی طرح
اس گھر میں شادیانے کی نوبت بھی تو بجے آباد کیا ہے غمکدۂ دل کسی طرح
سیّد رکھے گا مجھکو نکما ہی عشق یار
ہونے نہ دے گا یہ کسی قابل کسی طرح

آپ میں اب نہیں ہیں ہم شاید گئے گذرے تری قسم شاید
حور و غلماں ہے حسن میں ہر فرد کوچہ یار ہے ارم شاید
رات دن درد صبح و شام ایذا جان لے لیں گے درد و غم شاید
اسی امید پہ میں زندہ ہوں آجکل میں ہو کچھ کرم شاید
نظر آتی ہے کائنات ان میں یہی آنکھیں ہیں جام جم شاید

شکوہ کرتے ہیں کوئے جاناں کا
اب وہاں جائیں گے نہ ہم شاید
نظر آتا نہیں وجود مرا
اپنی ہستی بھی ہے عدم شاید
حسن اک زہر ہے بشر کے لئے
انکھیں میں ملادے سم شاید
دل میں طوفاں بپا ہے کیوں سید
اُمڈتے آتے ہیں اشک غم شاید

❁

اک اک سخن پہ دوستو سوسو دیا ہے ڈنڈ
کس سے کہوں کہ عشق میں کیا کیا لگا ہے ڈنڈ
دنیا میں چاہئے نہ کسی کو بھی چاہنا
دل دینے کی سزا میں وہ جاں مانگتا ہے ڈنڈ
تا عمر ہائے لینے کے دینے پڑے مجھے
امید منفعت میں ہمیشہ سہا ہے ڈنڈ
تم کو خبر نہیں کہ محبت ہے کیا بلا
یہ اس کے دل سے پوچھو جو کچھ سہ سکا ہے ڈنڈ
ہوں میں تو خود ہی شوق شہادت میں سربکف
جلاد میرے قتل پہ کیوں پیلتا ہے ڈنڈ
الفت میں تیری ہوش بھی جاتا رہا مرا
ہمراہ دل کے عقل و خرد دوسرا ہے ڈنڈ
اچھا نہیں ہے حضرت سید قمار عشق
تقدیر میں کچھ آپ کی لکھا ہوا ہے ڈنڈ

❁

۱۹۲۹ء

دم دے کے کیا وصل سے انکار کہاں پر
اف چال چلا، وہ بت عیار کہاں پر
دربار میں تو جا ہی چکا تھا دل شیدا
حیرت ہے کہ چُوکی نگہہ یار کہاں پر
ہے ہے وہ پہونچنے بھی[۱] نہ پائے سربالیں
دنیا سے گیا طالب دیدار کہاں پر
اس ناز سے میرا تو گلا کٹ نہیں سکتا
رکھنی ہے کہاں رکھتے ہو تلوار کہاں پر
کیا ان کی نظر پھر گئی سید دم بخشش
ٹھہرائے گئے ہم بھی گنہگار کہاں پر

❁

۱۔ کلیات: ''بھی'' مصنف سے لکھنے میں چھوٹ گیا ہے۔

۱۹۲۹ء

پتے پتے پر ہے فیض خضر سامان بہار
بن کے دریا بہہ رہا ہے آب حیوان بہار

خاروگل دونوں بنے ہیں مرد میدان بہار
ایک ہے سب کے لئے گلشن میں فرمان بہار

ہرروش اللہ رے نیرنگی شان بہار
خطِ گلشن بن گئی تحریر فرمان بہار

رونق گلشن ہے کیا شئے اور کیا شان بہار
اصل میں دل کی امنگیں ہیں فقط جان بہار

سرد مہری بلبلوں کی ہے نوید فصل گل
اس ہوائے تند کا جھونکا ہے عنوان بہار

اس کو چشم دوربیں سے گو نہ دیکھے باغباں
سبزۂ پامال بھی ہے، ورنہ شایان بہار

عید نظارہ سے اس کی کھلکھلا اٹھتے ہیں گل
قہقہہ دیوار ہے، دیوار ایوان بہار

ہوگئیں جب بند آنکھیں، بلبلہ کچھ بھی نہیں
جلوۂ ہستی ہے اک خواب پریشان بہار

باغ میں بلقیس قدرت کی حکومت دیکھئے
پتہ پتہ بن گیا، تخت سلیمان بہار

رات دن عہد جوانی کا ہے رونا اب مجھے
گلشن عالم میں ہوں اک مرثیہ خوان بہار

بعد ساقی میکدہ کیونکر کھلے گا میکشو
کون کھڑکائے گا اب زنجیر زندان بہار

خاک پر ٹپکے گی کیا شبنم پسینے کی طرح
چہرۂ گل کے لئے پنکھا ہے دامان بہار

کیا چمن میں دھوپ کی صورت ہے روشن چاندنی
مطلع خورشید میں ہے، ماہ تابان بہار

مجھکو کانٹا جان کر گلچیں نے پھینکا باغ سے
نقش ہستی ورنہ تھا اپنا بھی شایان بہار

ڈالی ڈالی پر ہیں آنکھیں پتے پتے پر نظر
باغباں ہے چشم بلبل سے نگہبان بہار

دیکھتا ہوں جس طرف گلشن کا مطلع صاف ہے
کیا برس کر کھل گیا ابر گل افشان بہار

میں وہ غنچہ ہوں مرا منہ کھل نہیں سکتا کبھی
میرے آگے لاکھ باندھے کوئی میدان بہار

بوئے گل گھٹ گھٹ کے آخر پھاند نکلی باغباں
چار دیوار چمن، دیوار زندان بہار

پوچھئے اس بلبل بیکس سے حال زندگی
جس کو ہو رنج اسیری، خار دامان بہار

اب وہ رونق ہی[1] نہیں سید ریاض دہر کی
صاف کر ڈالا خزاں نے آکے میدان بہار

۱۔ کلیات: ہی کا محل ہے۔ لفظ سہواً چھوٹ گیا ہے۔

۱۹۳۳ء

رکھتا ہے کیا ہی اپنی نظر بے پناہ پر
قربان جائیے کسی رحمت نگاہ پر

ہو روز حشر کچھ بھی جو بخشش کا آسرا
اچھلیں گناہ گار، تمہاری پناہ پر

پیری میں کیوں نہ ہوش و خرد کی مناؤں خیر
بھاگڑ کا وقت آن پڑا ہے سپاہ پر

کچھ غم نہیں کھچے ہیں اگر وہ کھچے رہیں
آئیں گے سامنے تو لگالیں گے راہ پر

بے جرمیوں پہ بھی ہے مجھے اعتراف جرم
تقصیر ہے جو عذر کروں میں گناہ پر

پوچھو نہ مجھ سے مرتکب جرم عشق کی
دفتر لکھے گئے مرے فرد گناہ پر

آیا نہ باز واعظ حق ہیں بھی عشق سے
کہنے کو توبہ توبہ رہی ہر گناہ پر

مرحوم تک تھی طاقت پرواز منحصر
دل کیا گیا کہ ٹوٹ گئے میرے شاہ پر

انساں کا اس کے ہاتھ سے بچنا محال ہے
خلقت چڑھی ہوئی ہے اجل کی نگاہ پر

"اے روشنی طبع تو بر من بلاشدی"
دنیا کی آنکھ رکھنے لگی اب نگاہ پر

مضطر بنا دیا انہیں بے چین کردیا
ایسا نہ ہو وہ صبر کریں میری آہ پر

وہ کیا ادائے رسم محبت کا قول ہے
جس کی زباں کبھی نہ ہلی ہو نباہ پر

دشواری ردیف سے مضمون بند ہے
چڑھتا نہیں ہے قافیہ سید نگاہ پر

❁

کیوں نہ چمن میں روئیے گل کی نکھار دیکھ کر
کس کی بہار دیکھئے تیری بہار دیکھ کر

شکر خدا گئی نہ کچھ محنت عشق رائیگاں
صبر کچھ اور بڑھ گیا، دل کا قرار دیکھ کر

مجھ کو بھی ناز ہے کہ ہاں میں بھی ہوں ایک آدمی
اپنے کو تیرے حسن پر، دل سے نثار دیکھ کر

تاب ہزار لائیے، ضبط ہزار کیجئے
عشق میں صبر پھر کہاں جلوہ یار دیکھ کر

❁

۱۹۳۹ء

الزام کیوں نہ رکھوں نسیم بہار پر
گل کیا کہ خاک تک نہیں آتی مزار پر

برق خزاں تو زور دے ابر بہار پر
پھولوں کے بدلے آگ ہی برسے مزار پر

آتے تھے وہ تو قبر تھی اپنی بہار پر
اب شمع بھی چراغ سحر ہے مزار پر

ظلم خزاں سے آئی جو آفت بہار پر
جھاڑے چمن سے بلبلوں نے ایک بار پر

صدقہ ہیں سو فزائیں دل داغدار پر
میری خزاں سے اوس پڑی ہے بہار پر

اپنی نظر گڑی ہوئی ہے روئے یار پر
لاکھوں سدا بہار فدا، اس بہار پر

جب سے خزاں نے گل کو لٹایا[۱] ہے خار پر
آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے شبنم بہار پر

شبنم نے دھو دیئے ہیں چمن زار حسن کو
جوبن چڑھا ہوا ہے عروس بہار پر

غش ہو کے شاخ گل پہ جو بیٹھی ہیں بلبلیں
منہ آ رہے ہیں باغ میں غنچے بہار پر

سرجوشیاں ابھی سے ہیں رنداں مست کی
ساغر چھلک رہے ہیں نوید بہار پر

وحشت سے آشیاں میں نہیں بیٹھنا نصیب
کیوں اتنی میری آگ پڑی ہے بہار پر

داغ جبیں کو سر سے نہ کیونکر لگاؤں میں
اک دن یہی چراغ جلے گا مزار پر

ہے ٹڈی دل پیادوں سے زچ بادشاہ بھی
دھاوے پہ دھاوے کرتے ہیں پیدل سوار پر

گردش زدوں کو کیا ہو پریشانیوں کا خوف
دنیا میں اضطراب کا ڈر ہے قرار پر

کیسی سبک روی سے گئے رہرو عدم
بھاری ہے سیدؔ اپنی ہی مٹی ہزار پر

۱۔ کلیات: لوٹایا

۱۹۴۱ء

فضائے فلک ہے زمیں آسماں پر
خدا جانے پہنچا ہوا ہوں کہاں پر

ہے الزام کا شک مری داستاں پر
ادھر دل میں آئی کہ پہنچی زباں پر

سلامت تصدق ہے میرے بیاں پر
زباں زد ہے اپنی زباں ہر زباں پر

گریں بجلیاں کب نہیں آشیاں پر
مرا صبر یارب پڑے آسماں پر

بلاؤں کا نرغہ ہے اک اک نشاں پر
ہے منزل کٹھن ہر قدم کارواں پر

شکایت ہے تم کو جو اہل وفا سے
تمہارے بھی شکوے ہیں سب کی زباں پر

اترتے کہاں ہیں وہ کوٹھے سے اپنے
پٹکتا رہے سر کوئی نردباں[۱] پر

عجب حسن سے بھی ہے مجبور انساں
وہ احسان رکھتے ہیں سارے جہاں پر

صبا کو خدا جانے کیا موج آئی
کہ پھولوں کی بوچھار ہے آشیاں پر

ہوئے ہیں وہ جنگ آزمائے محبت
مرا فیصلہ ہے مرے امتحاں پر

نہ یوں سرد مہری سے باتیں کرو تم
کہ پانی پڑے میرے سوز نہاں پر

جو کچھ آئے گی جھیل لے گا مرا دل
چڑھائیں بھی وہ تیر اپنا کماں پر

کرے کون خانہ بدوشوں کا ماتم
کوئی روئے کیا ہم سے بے خانماں پر

سبیلیں چلیں نام ساقی پہ مئے کی
خدا کا کرم میرے پیر مغاں پر

کہانی ہے حسرت کی، عبرت کا قصہ
وہ روئیں گے اک دن مری داستاں پر

مری بیخودی کی ہے کیا بات ساقی
وہیں میں تھا بٹتی تھی مستی جہاں پر

سبک کیوں نہ آنکھوں میں ہو اپنی مستی
کہ پتھر نہیں ہم، ترے آستاں پر

یہی نیند اگر اب بھی سوؤں گا سید
اجل روئے گی میرے خواب گراں پر

ا۔ کلیات: نردباں: سیڑھی، زینہ، رتبہ: فرہنگ عامرہ

۱۹۴۱ء

بے تاب کوچہ گردی وحشت بیاں سے دور
منزل ابھی بہت ہے مرے کارواں سے دور

جانا کوئی محال نہیں ہے گماں سے دور
پہونچا کیا خیال مرا آسماں سے دور

ظالم کی ہر نگاہ سے دنیا ہلاک ہے
پہونچا نہ کون تیر کسی کی کماں سے دور

بے سود ہے حکایت ہستی کی بات بات
مطلب رہا ہمیشہ مری داستاں سے دور

بکھرے وہ زلف کیوں مرے[1] مرنے کے سوگ میں
ایسا ہو کیوں نصیب عدو، ان کی جاں سے دور

ہے ہم فلک زدوں کا ٹھکانا، یہی جگہ
جائے کہاں کوئی ترے دارالاماں سے دور

ابنائے روزگار سے جی چاہتا ہے اب
اس دشت میں رہوں کہ ہو بستی گماں سے دور

یاران رفتہ کو نہیں اسکی خبر بھی کچھ
رستے میں مر رہا ہے کوئی کارواں سے دور

صیاد نے لگادی مرے جسم وجاں کو آگ
بجلی کبھی گری بھی اگر آشیاں سے دور

پہونچا دیا خیال نے کیسے مقام پر
اپنی زمین بن گئی اک آسماں سے دور

ہر ذرہ فیض بار ہے ان کے مزار کا
سید ہٹو نہ باقر[2] خلد آشیاں سے دور

۱۹۴۵ء

دل کھٹک جاتا ہے، خط روئے زیبا[3] دیکھ کر
اک خلش سی ہوگئی پھولوں میں کانٹا دیکھ کر

اف سر بازار ان کو جلوہ فرما دیکھ کر
کیا مچل بیٹھا دل ناداں کھلونا دیکھ کر

۱۔ کلیات: لفظ ''مرے'' سہواً چھوٹ گیا ہے۔ ۲۔ باقر کا مزار اور گھر دونوں محلہ گڑ ہٹا پٹنہ سیٹی میں واقع تھا۔ گھر بک چکا ہے اور مزار ان کا اور ان کے قرابت داروں کا باقی ہے۔ پختہ ہے۔ فصیح الدین بلخی معاصر پٹنہ کے مضمون ''شعراء کے مزارات'' میں اس کا ذکر موجود ہے۔ راقم السطور کا مضمون بھی معاصر میں شائع ہو چکا ہے، تفصیل درج ہے۔

۳۔ کلیات: جاناں لکھا ہے زیبا ہونا چاہئے۔ سہو ہے۔

خون ارماں دیکھ کر خون تمنا دیکھ کر
دیکھ قاتل چوٹ کرنا، دل کی دنیا دیکھ کر

ہوتی تھی خلقت کی خلقت میں مری کل تک ہنسی
آج مجھ کو روتی ہے دنیا کی دنیا دیکھ کر

دشت غربت میں نہ کیوں یاد آئیں ارباب وطن
باغ سے پھینکا مجھے گلچیں نے کانٹا دیکھ کر

جم بھی جائے گا کہیں آوارہ گرد شہر عشق
میری وحشت چن ہی لے گی کوئی صحرا دیکھ کر

جس قدر وہ ظلم ڈھائیں جس قدر چاہیں ستائیں
مجھکو اک دن روئیں گے خود ہی نتیجا دیکھ کر

رہروان کوچہ جاناں کی اللہ ری تڑپ
منھ اندھیرے ہی یہ اٹھ جاتے ہیں پھر جا دیکھ کر

نیستی ہی نیستی ہے اپنی ہستی کا شمار
سر جھکاؤں کیوں نہ سید اپنی دنیا دیکھ کر

❁

ہے محال اس کا بندہ پرور توڑ
بات ہے سنگدل کی، پتھر توڑ

آس ظالم سے قلب مضطر توڑ
یہ ستم تو نہ اپنے دم پر توڑ

کچھ عجب چیز ہے ملنساری
رسم الفت نہ اے برادر توڑ

خون پانی ہے بحر الفت میں
کشتی عمر کا نہ لنگر توڑ

نظر آئے گی ہوگی جیسی شکل
لاکھ آئینہ سکندر توڑ

آہ ہے اک بلائے بے درماں
دل کسی کا نہ اے ستمگر توڑ

کیوں اٹھے در سے یہ جبین نیاز
وار ظالم کی پڑتی ہے، سر توڑ

میں بھی سید ہوں اُف نہ لاؤں گا
ظلم کا سو پہاڑ سر پر توڑ

❁

۱۹۳۰ء

ساقی نے پڑھنی چھوڑ دی میخانے کی نماز
ہے اب کبھی تلاوت قراں کبھی نماز

انساں اسی سے رکھے اگر ساز باز عشق
دنیا میں کردے دولت دیں سے غنی نماز

زاہد کے دل میں خوف خدا بھی رہا نہ کچھ
کہ وقف بادہ نوشی دم میکشی نماز

دنیا میں ہر بشر، بشریت سے دور ہے
انسان کو بنائے نہ کیوں آدمی نماز

کام آئے گا نہ کچھ عمل نیک کے سوا
عقبیٰ کا توشہ ہے یہی روزہ یہی نماز

ہے جن کے دل میں شاہد مقصود کا خیال
بت خانے میں بھی وہ[1] پڑھتے ہیں اللہ کی نماز

سید خدا جو رکھ لے سیادت کی آبرو
پیر و فقیر آکے پڑھائیں مری نماز

❁

دل میں بسا ہوا تو مری جاں ہے ہر نفس
ہر لحظہ آرزو تری ارماں ہے ہر نفس

سیل بلا ہے ہر گھڑی، طوفاں ہے ہر نفس
کیا تہلکہ ہے کیا ہی پریشاں ہے ہر نفس

خیریت اب کے گھر کی نہیں ہے بہار میں
دل کو خیال سیر بیاباں ہے ہر نفس

دل ہے اسیر، حرص کے پھندے میں ہر گھڑی
دنیا میں بندۂ ہوس، انساں ہے ہر نفس

کب اس پہ میرے دست جنوں دوڑتے نہیں
وحشی کی آنکھ سوئے گریباں ہے ہر نفس

رفتار اس کی کم نہیں ہوتی تمام عمر
واللہ اپنی چال میں طوفاں ہے ہر نفس

اے زخم دل خدا کے لئے منھ نہ کھولنا
اس دست نازنیں میں نمکداں ہے ہر نفس

ہر سانس تازیانہ عبرت ہے دوستو
دنیا میں چل چلاؤ کا ساماں ہے ہر نفس

سید نہیں کب آنکھوں میں طوفان موجزن
دریا مرے دو آبے میں، پنہاں ہے ہر نفس

❁

۱۔ کلیات: لفظ 'وہ' چھوٹ گیا ہے۔ اضافہ مرتب۔

کوچۂ قاتل میں سنگ راہ ہے سر ہر طرف
چل رہا ہے ان دنوں خنجر بہ خنجر ہر طرف

ماری ماری پھرتی ہے دنیا میں جنس ابرو
کوڑیوں کے مول اب بکتا ہے گوہر ہر طرف

ہائے کیا دنیا میں ہے خانہ بدوشی کا عروج
جس کو دیکھو وہ لئے پھرتا ہے بستر ہر طرف

اس قدر کانٹوں سے اپنے دل کی دنیا بھر گئی
رات دن چبھنے لگا پہلو میں نشتر ہر طرف

ہوچکی فرہاد و مجنوں کی کہانی نامزد
اب تو میرا ہی فسانہ ہے زباں پر ہر طرف

میری جانب سے تو اسکی آنکھ بدلی ہی رہی
دیکھتا ہے اک نظر سے یار کیوں کر ہر طرف

دینے والوں کی ضرورت مانگنے والوں کی ہے
دل میں حاجت رکھ لو سیدؔ تو تونگر ہر طرف

۱۹۴۶ء

وہ پھول ہوں کہ پوچھے نہ پھر جس کو خار تک
اپنی ہوا فقط ہے نسیم بہار تک

تھا اپنے دل کو چین، سکون و قرار تک
قابو میں جسم زار رہا، اختیار تک

ناکامیوں سے حسن کی نادم ہے یار تک
جادو اثر نہیں نگہہ سحر کار تک

ہم مرمٹوں کا اب نہیں باقی شمار تک
نوبت پہنچ چکی ہے ہزاروں ہزار تک

وہ جیتے جی ہی مجھکو مٹا بیٹھے ذہن سے
ان کے خیال میں نہیں اپنا شمار تک

سن کر مری مذلت عشق آپ روئیں گے
پہونچے گی جس گھڑی یہ خبر اپنی چار تک

یاران ہم جلیس کبھی یاد اگر کریں
پہنچے ہوا وطن کی غریب الدیار تک

ان سے وفا کی ہائے قیامت میں کیا امید
مر بھی گئے ہم، ان کو نہ آیا بخار تک

وحشت اچھالتی نہیں، جنگل ہی میں فقط
اپنے جنوں کا سلسلہ ہے کوہسار تک

ناحق کریں نہ وعدہ فردا، کسی سے آپ
زندہ ہی کون رہتا ہے روز شمار تک

دن رات سو طرح کی مصیبت میں جان تھی
کیا کیا تڑپ رہی دل بے اختیار تک

رفتار روز گار بھی اب سست پڑ گئی　　اترا قدم پہ ابلق لیل و نہار تک
تیغ نگاہ ناز نے ستھراؤ کر دیا　　اب گنتے رہیۓ ایک سے لے کر ہزار تک
دیدے الٹ چکے تو کہاں پھر غم و الم　　رونا تو آنکھ کا ہے فقط جان زار تک
آنکھوں سے ان کی ہائے کچھ ایسا گرا ہوں میں　　اٹھتا نہیں زمین سے اپنا غبار تک
دنیا میں زندگی ہی فقط سدِّ راہ تھی　　اب کیا ہے اب تو صاف ہے رستہ مزار تک
سیدؔ چمن میں کیا کوئی گائے خوشی کے راگ
بلبل غریب خون ہی روئی بہار تک

۱۹۳۳ء

لطفیست دریں عشق کہ بیگانۂ خویشم　　فرزانہ ام اے یار کہ دیوانۂ خویشم
اے حسن چہ افتد سوئے اغیار نگاہم　　خود شمع شب افروزم و پروانۂ خویشم
چوں سجدہ نہ سازد بہ درم آمدہ زاہد　　مسجد بہ نگاہش شدہ میخانۂ خویشم
آں حسن ازل گشت چو پنہاں بہ وجودم　　نقد دو جہاں یافت بہ نذرانۂ خویشم
از صور سرافیل چہ ترسم سر محشر　　خود رفتہ چو از نعرۂ مستانۂ خویشم
چینم بہ جہاں انچہ بہ قسمت شدہ تقدیر　　چوں طائر دل گرسنۂ دانۂ خویشم
دل را چہ سبک گشت گرانباری عشقت　　قربان بریں ہمت مردانۂ خویشم
اللہ چہ شور ایست، بہ دنیائے محبت　　سرخیست بہ ہر صفحہ زافسانۂ خویشم
قسمت بہ ازل گشت مرا خدمت احباب　　جاروب کش حلقہ میخانہ خویشم
دیدن نتواں است نظر حسن خرد را
سیدؔ چہ کنم چارہ کہ دیوانہ خویشم

دل کا الم کہ ان کی تمنا کریں گے ہم
اس ایک اپنی جان سے کیا کیا کریں گے ہم

تھمتے نہیں ہیں آنکھوں سے آنسو شب فراق
کیا آج روتے روتے سویرا کریں گے ہم

اپنی بھی طبع شوخ شرارت پسند ہے
تم کھیل اگر کروگے تماشا کریں گے ہم

مرنا مآل شوق ہے بازار عشق میں
دل دے چکے تو جان کا سودا کریں گے ہم

اتنے ہی زندگی میں اٹھائے ہیں رنج و غم
دنیا کی بھول کر نہ تمنا کریں گے ہم

تعبیر اپنے خواب جوانی کی ہے یہی
تا زندگی شباب کو رویا کریں گے ہم

ہر حال میں تمہاری خوشی کا خیال ہے
دل دے چکے تو جان کی پروا کریں گے ہم

کب تک چلے گی عشق میں بیگانگی کی لہر
جس طرح بھی ہو یار کو اپنا کریں گے ہم

قدرت کا اک کرشمہ ہے نیرنگی جہاں
سو آنکھ سے نظارۂ دنیا کریں گے ہم

کان اپنے ہیں تمہاری صداؤں کے منتظر
جب تک نہ کچھ کہوگے پکارا کریں گے ہم

سید رہے گی مشق تصور اگر یونہی[1]
روٹھے ہوئے کو اپنے منایا کریں گے ہم

چاہت کسی کی کھیل نہیں دل لگی نہیں
دنیا میں تیرے دل کو ستم گر لگی نہیں

خالق نے جس کے دل میں محبت بھری نہیں
ایسا بشر، بشر کے لئے آدمی نہیں

جینے پہ منحصر ہے فضائے ریاض دہر
مرنے کا رنج کیوں کروں جب زندگی نہیں

کافر ہوں ہم جو اور سے ہو ساز باز عشق
ہرگز نہیں قسم ہے تمہاری کبھی نہیں

ہے آدمیت اس کے لئے فرض منصبی
انسان وہ بشر نہیں جو آدمی نہیں

دنیا میں ایسے جینے پہ اے خضر حیف ہے
یہ زندگی تو آپ کی کچھ زندگی نہیں

محشر میں بال بال مرے شکل غیر ہیں
اب اس سے بڑھ کے اپنے لئے زندگی نہیں

موسیٰ صفت دکھائیں وہ کس کو جمال حسن
دنیا میں کوئی طالب دیدار ہی نہیں

دل وہ ہے جو ہو خاتم انگشت دل ربا
اس کا جو آئینہ نہیں وہ آرسی نہیں

۱۔ کلیات: یونہیں

دیوانہ بن کے رہ گئی بستی جہان کی — وحشت نہ کیوں اڑائے کہ ہم آدمی نہیں
سید وہ اس پہ رکھتے ہیں دیوانہ وار آنکھ
کب ان کے ہاتھ شیشہ دل آرسی نہیں

❁

کیوں اس کا نام ہے چمن روزگار میں — کیا شاخ زعفراں کی لگی ہے بہار میں
برسا دیا شراب کا مِن بادہ خوار میں — ساقی نے بھی بہار دکھادی بہار میں
یکتا یہ فصل ہے چمن روزگار میں — جتنی بھی خوبیاں ہوں، وہ کم ہیں بہار میں
کیا رخ کی ضو ہے زلف پریشان یار میں — افشاں کی آب وتاب دکھا دی غبار میں
سبزے پہ کیوں نثار نہ ہوں گل بہار میں — بیدل کی شان آنہیں سکتی سوار میں
جو جسکی بات ہو وہ کہو منہ سے صاف صاف — آئینہ ایک چیز ہے جیسے ہزار میں
مجھ سا اگر زمانے میں درد آشنا نہیں — واللہ تو بھی ایک ہے ظالم ہزار میں
راحت کے ساتھ ساتھ ہیں لاکھوں اذیتیں — دھوکا اٹھائے گا دل مضطر قرار میں
ہم کو مٹا کے بھی دل شیدا نہ کچھ تھما — گردش میں ڈال کر بھی نہ آیا قرار میں
جاتی نہیں ہے خاک میں ملنے سے آبرو — جوہر دکھائیں اپنا جواہر غبار میں
اٹھتے نہیں پکار پہ بھی خفتگان خاک — کانوں میں روئی[1] ڈال کے سوئے مزار میں
ہے چیختا بھی خوف قیامت سے اک عذاب — یہ بھی نہیں کہ چین سے سوؤں مزار میں
مرکر بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا غریب نے — مرحوم دل کی قبر بھی ہے اک مزار میں
سید عجب ہی کیا جو طبیعت ہے موج پر
یہ بھی ہے اک بہار کا جھونکا، بہار میں

❁

نظر بند گیسوئے خمدار ہم ہیں — تمہاری بلا میں گرفتار ہم ہیں
عجب تختہ مشق سرکار ہم ہیں — کسی کی خطا ہو گنہگار ہم ہیں
جہاں بھر سے بددل زمانے سے نفرت — خدا جانے کس کے طلبگار ہم ہیں
ہمیں زندہ رکھتیں وہ ظالم نگاہیں — بڑی خیریت ہے کہ بیمار ہم ہیں

۱۔ کلیات: 'روئی' لفظ درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ اضافہ مرتب

بڑی راز داری ہے خاموشی اپنی — یہ وہ بیخودی ہے کہ ہشیار ہم ہیں
لڑکپن کے ساتھی پہ ظلم محبت — ارے دل ترے ناز بردار ہم ہیں
ہمیں گھر سے باہر نہ اے عشق کرنا — کہ پھر چل نکلنے پہ تلوار ہم ہیں
جدھر ان کا رخ ہے ادھر اپنا رو بھی — جہاں میں زمانے کی رفتار ہم ہیں

وہ مجبور ادھر اپنی عادت سے سید
ادھر عشق میں دل سے ناچار ہم ہیں

ہم کو بھروسا صرف ہے تیرا اور سہارا کوئی نہیں
اپنے یگانے بات ہے یارب، سچ ہے کسی کا کوئی نہیں
دیکھنے والے دیکھ ہی لیں گے چلمنیں در پر لاکھ رہیں
لاکھ چھپاؤ شکل تم اپنی حسن کا پردا کوئی نہیں
کون سے تھے وہ لوگ جہاں میں دشمنوں پر تھا ترس جنہیں
درد بٹائے رنج میں غم میں، ہائے اب اتنا کوئی نہیں
حشر کا اک میدان ہے دنیا نفسی نفسی ہی دیکھتے ہیں
اب وہ زمانہ ہے کہ کسی کا پوچھنے والا کوئی نہیں
گانٹھ میں زر ہے مست ہیں غنی ہیں اہل دول کا کہنا کیا
دل سے کچھ اس کے پوچھئے صاحب جس کو سہارا کوئی نہیں
پر بھی نہ مارے کوئی پرندہ، کوئی نہ پوچھے حال مرا
دیکھنے کی ہے اتنی خلایق میرے لئے کیا کوئی نہیں
ہائے بسر ہو زیست جہاں میں کیوں نہ مسافر خانے کی
ساری نگری پرائی ہے اس دیس میں اپنا کوئی نہیں
کون سی دنیا جا کے بسائی ہائے گزرنے والوں نے
بات ہے کل کی کھیل تھے کیا کیا، آج تماشا کوئی نہیں
آنکھ کھلے کی بات ہے صاحب ورنہ یہ دنیا نام کی ہے
زیست سے ساری جنگ ہے سید، موت سے جھگڑا کوئی نہیں

ڈھونڈھیں تجھے کیا جاکے تری راہگذر میں ‏ ہم آپ ہی کھوئے ہوئے ہیں اپنی خبر میں
اللہ نے پیدا جو کیا مجھکو بشر میں ‏ جچتا ہی نہیں اپنے سوا کوئی نظر میں
باقی نہ رہا نام کو دم، شمع سحر میں ‏ پروانوں نے کیا لوٹ لیا رات ہی بھر میں
تاثیر عجب طرح کی ہے اس کے اثر میں ‏ پتھر بھی چٹک جائے جو طاقت ہو نظر میں
کس دشت کی پھرتی ہے فضا اپنی نظر میں ‏ اے وحشت دل پاؤں ٹھہرتے نہیں گھر میں
منظور سما نا ہو اگر میری نظر میں ‏ آنکھیں مری چن دیجئے دیوار میں در میں
ہوتی ہے یہ معراج نصیبوں سے میسر ‏ کیوں خاک نہ ہو جاؤں تری راہ گذر میں
کس دل میں نہیں زلف و رخ یار کی الفت ‏ دنیا ہے پڑی تہلکۂ شام و سحر میں
وہ لاکھ کریں غیر سے اکڑی ہوئی باتیں ‏ آنکھوں سے ہے ظاہر کہ لگاوٹ ہے نظر میں
تلوار کی صورت وہ کھچے ہم سے نہ کیونکر ‏ برچھی کی طرح گڑتے ہیں قاتل کی نظر میں
واللہ ملائک سے کبھی کم نہیں انسان ‏ اک بات فرشتوں میں ہے، سو بات بشر میں
کھجلاتے ہیں اے وحشت دل کیوں مرے تلوے ‏ جنگل کی ہوا کیا ہے سمائی ہوئی سر میں

وقعت سے بھلا کیا کوئی دیکھے مجھے سید
کچھ اپنی حقیقت بھی ہو، دنیا کی نظر میں

۱۹۳۰ء

عجب نیرنگ دنیا دیکھتا ہوں ‏ اجالے میں اندھیرا دیکھتا ہوں
میں ان کا روئے زیبا دیکھتا ہوں ‏ کہ دشمن کا کلیجہ دیکھتا ہوں
عجب قسمت کا لکھا دیکھتا ہوں ‏ جہاں جاتا ہوں نیچا دیکھتا ہوں
نثار پاک دامانی یوسف ‏ غلامی پر بھی آقا دیکھتا ہوں
دو روزہ زندگی عمر شرر ہے ‏ پلک لگتے ہی پھرچا دیکھتا ہوں
عجب طوفان شور افزا بپا ہے ‏ کہ ہر قطرے کو دریا دیکھتا ہوں

سدھرتی ہی نہیں ہے دل کی حالت   عجب رنگ ان کے گھر کا دیکھتا ہوں
خودی جاتی نہیں یارب بتوں کی   میں آئینہ بھی دکھلا دیکھتا ہوں
نہ کیوں انساں کو انساں پھاڑ کھائے   کہ ہر بستی کو صحرا دیکھتا ہوں
نہیں ہے نام کو بھی ربط باقی   دو لخت اب نظم دنیا دیکھتا ہوں
جوانی کی ہے رونق شام ہی تک   سحر ہوتے سویرا دیکھتا ہوں
امید وصل ابھی جمتی نہیں ہے   ابھی مرنے میں کھٹکا دیکھتا ہوں
مری ہستی کوئی ہستی ہے یارب   نہ ہوتا، اس سے اچھا دیکھتا ہوں

قطعہ

کسی کا عشق ہے کیا تم کو سیدؔ   حزیں صورت سراپا دیکھتا ہوں
کہو کچھ خیر تو ہے میر صاحب   یہ نقشہ کیوں تمہارا دیکھتا ہوں

اپنی حالت تجھ سے اے آئینہ طلعت کیا کہوں   بن گیا ہوں پیکر تصویر حیرت کیا کہوں
چاہتے ہیں وہ گذارش میں بھی جدت کیا کہوں   ساری دنیا سے نئی میں اپنی حاجت کیا کہوں
گر گئے اپنی نظر سے اہل حاجت کیا کہوں   پر لگا کر اڑ گئی دنیا کی دولت کیا کہوں
ہونے والی ہو تو کہیے بھی کسی سے کوئی بات   وہ تو سنتے ہی نہیں کچھ اپنی حاجت کیا کہوں
جانکنی ہی کی مصیبت، حشر کا ہے سامنا   جی پہ کیا گزرے گی محشر میں قیامت کیا کہوں
جیتے جی مشکل ہے اندوہ وفا سے چھوٹنا   اک عذاب جاں ہوئی اس کی محبت کیا کہوں
آئینہ ہے تیرے آگے میری تصویر ملال   کس طرح کٹتے ہیں دن اے یار، صورت کیا کہوں
داغ رسوائی سے کل تک اک جہاں کو تھا گریز   آج زینت بن گئی خاک مذلت کیا کہوں
کس لئے دنیا کو ہے میری خموشی کا خیال   سننے والا ہی نہیں میں اپنی حالت کیا کہوں
چبھتی ہے دل میں تمہاری یاد کانٹوں کی طرح   اے وطن کے رہنے والو، اپنی غربت کیا کہوں
کسر شان عشق ہے تشبیہہ بے جائے خیال   ان کی شام ہجر کو میں صبح جنت کیا کہوں

پڑ گیا تھا درمیاں ان کی خوشی کا واسطہ — مر ہی جانا تھا تقاضائے محبت کیا کہوں

ذرۂ ناچیز ہوں سیدؔ کہ رشک آفتاب
خود نہیں معلوم کچھ اپنی حقیقت کیا کہوں

۱۹۳۵ء

راحت کی ہم نے ڈھونڈھی نہ صورت کہاں کہاں — اب آزمانے جایئے قسمت کہاں کہاں
سائے سے میرے سارا زمانہ ہے بھاگتا — مجھکو لئے پھرے مری قسمت کہاں کہاں
جنت میں حور اگر تو پرستان میں پری — میری تباہیوں کی ہے صورت کہاں کہاں
کوئی نہیں جہاں میں کہ پورا کرے سوال — پہونچے نہ ہم فقیر کی صورت کہاں کہاں
ہم بھی تمام عمر کریں گے نہ آنکھ بند — جھلکی دکھائے گی تری صورت کہاں کہاں
اپنی حریم ناز سے اب باہر آیئے — مارے پھریں ہم اہل محبت کہاں کہاں
اللہ رے فیض ساقی خمخانۂ ازل — ڈھالی گئی شراب محبت کہاں کہاں
اس نقد دل کون حسیں چاہتا نہیں — کوئی لٹائے نام کی دولت کہاں کہاں
کمبخت نے تمام سے رسوا کیا مجھے — مارا پڑا ہوں دل کی بدولت کہاں کہاں
بدنام عشق آپ کا کس کس کو دے جواب — ہر شخص پوچھتا ہے کہ حضرت کہاں کہاں
دنیا کو مارے بیٹھی ہے اے تو نگاہ یار — ڈھائی نہ تو نے ہائے قیامت کہاں کہاں
جس کے قریب پہونچے ہوئے دور دور ہم — اس عشق میں اٹھائی نہ ذلت کہاں کہاں
کیونکر کہوں میں کیسی گذرتی ہے چارہ گر — کس کس جگہ ہے درد، اذیت کہاں کہاں
دنیا میں کیا کرے کوئی آرام کی امید — راحت کہیں کہیں ہے مصیبت کہاں کہاں

بس چپ بھی رہئے آپ کو اب پوچھتا ہے کون
سید جتایئے گا سیادت کہاں کہاں

شومیِ قسمت کا اپنی شکوہ بے جا نہیں غیر تو ہے غیر اپنا جو ہے وہ اپنا نہیں
کب میسر ان کا دیدار رخ زیبا نہیں آنکھ والوں سے خدا رکھے کوئی پردا نہیں
اے دلِ درد آشنا تو نے اسے سمجھا نہیں کیا بلا ہے یہ جنون عشق اگر سودا نہیں
میری قسمت میں ثمر نخل محبت کا نہیں دوسروں کی ہو مگر میرے لئے دنیا نہیں
واہ رے نیرنگ ہستی، یہ ترا ہی کام ہے اک تماشا گاہ خلقت ہے مری دنیا نہیں
کیا کرے دنیا میں کوئی میری ہستی کا شمار میری دنیا، ایک دنیا کے لئے دنیا نہیں
کائنات دہر، یکساں کائنات عشق ہے اس کی دنیا کے علاوہ، دوسری دنیا نہیں
عشق کم ہوجائے خلقت کا تو کیسی عاشقی حسن گھٹ جائے اگر اس کا تو پھر دنیا نہیں
پھوٹ کر نکلے گی باہر آپ اس کی روشنی لاکھ پردے میں نہ کیوں ہو، حسن کا پردا نہیں
ہائے رے محرومی نظارہ رخسار دوست کون قطرہ آنسوؤں کا ہے جو اک دریا نہیں
تھا جوانی تک فقط جوش وخروش زندگی موج کیا اٹھے کہ اب چڑھتا ہوا دریا نہیں
اپنے بیگانے ہمیں کو روکتے ہیں عشق سے ہم کو حیرت ہے تو یہ ان کو کوئی کہتا نہیں
کیا سنائیں خیر الفت میں متاع دل کی ہم آپڑی ہے جان پر اب مال کا جھگڑا نہیں
کیجئے کیوں کر نہ غیروں سے ہی اے دل سازباز وہ بت بیگانہ وش اپنا تو ہونے کا نہیں
آج بھی دکھلا رہے ہیں اگلی صورت شکل وہ آنکھ والا کوئی لیکن صورت موسیٰ نہیں
ہائے اب الفت میں ناصح بن گئے احباب بھی کیا گزرتی ہے یہ کوئی پوچھنے والا نہیں

کیوں کہے مجھ کو نہ بیگانہ یگانہ ننگ خلق
سچ ہے سید اپنی ہستی لائق دنیا نہیں

❁

محبت میں وہی مرتے ہیں جو آفت کے مارے ہیں بہر حال اس میں گھاٹا ہے، بہر صورت خسارے ہیں
الٰہی یہ انہیں کیونکر کہیں ہم، وہ ہمارے ہیں امیدیں ہیں محبت سے، نہ قسمت کے سہارے ہیں
نہیں غم، دور فرقت میں جو دن اپنے گذارے ہیں زمانہ یہ بھی سن لے گا ہم ان کے وہ ہمارے ہیں
الٰہی آج ان سے اور کس سے وارے نیارے ہیں کہ افشاں بھی چنی ہے اور گیسو بھی سنوارے ہیں
حسینان جہاں کیا چیز ہیں کیوں پیارے پیارے ہیں ان آنکھوں سے کوئی پوچھے یہ جن آنکھوں کے تارے ہیں

نظر آتی نہیں دل کی جگر کی خیر الفت میں
غضب کی چشمکیں ان کی قیامت کے اشارے ہیں

بلائے عاشقاں سے ان کو چھٹکارا نہیں ملتا
زکوۃ حسن بھی دی ہے، اُتارے بھی اُتارے ہیں

قتیلان وفا تڑپیں نہ کیوں مرکر بھی پانی کو
کسی کے خنجر ابرو نے، سوکھے گھاٹ اتارے ہیں

کروں تو گشت گاری ان کے کوچے میں محبت کی
خدا چاہے تو پھر جنت میں بھی اپنے اجارے ہیں

ترے دیوان گاہ عشق کی جنگل میں بستی ہے
زمانے سے الگ رہتے ہیں دنیا سے کنارے ہیں

ہمارے دل کو پانی کر دیا، ناوک نگاہوں نے
جہاں زخم محبت تھا، وہیں پر تیر مارے ہیں

شکایت کیا جوان روزوں نہیں تنتیں بھویں ان کی
یہ کیا کم دھاک بیٹھی ہے کہ یہ خنجر دو دھارے ہیں

تمنا ہی تمنا میں گذر جائیں گے دنیا سے
امیدوں ہی امیدوں میں کسی دن وارے نیارے ہیں

نہیں کوڑی کفن کو اب مرے دل کے خزانے میں
کسی کے پنجۂ مژگاں نے کیا کیا ہاتھ مارے ہیں

پہونچنا تھا نہ پہنچا ان کی خلوت تک کوئی یارب
ہزاروں نے جبیں رگڑی ہے، سر لاکھوں نے مارے ہیں

کلیجا چھلنی کر ڈالے گی چشم نیم باز ان کی
معاذ اللہ جب دیکھو اسی جانب اشارے ہیں

نگاہ لطف جاناں اک ہوائی موج ہے اے دل
محبت کی یہ لہریں، کوئی دن دریا کے دھارے ہیں

بہار روز افزوں کی ہے[1] اس کے حد نہیں سید
یہ آنکھیں ہیں ہماری اور دنیا کے نظارے ہیں

❁

وہ جب کہتے ہیں کون آتا ہے، ہم خنجر اٹھائے ہیں
ہمیں ......[2] ہمیں اپنا ہاتھ ہر بھر کر اٹھاتے ہیں

ادا و ناز والے کیا نظر دل پر اٹھاتے ہیں
نگاہوں کی چھری چلتی ہے یا خنجر اٹھاتے ہیں

جو ہم دیوانہ الفت، قدم باہر اٹھاتے ہیں
ہزاروں لڑکے مل کر دور سے پتھر اٹھاتے ہیں

مجھے کیا اپنی ڈیوڑھی سے بت خود سر اٹھاتے ہیں
یہ اپنے آستان ناز سے پتھر اٹھاتے ہیں

کلیجا چور کرتی ہے نگاہ خشمگیں ان کی
وہ مجھ پر آنکھ اٹھاتے ہیں کہ اک پتھر اٹھاتے ہیں

بتان سنگدل اوروں کو دکھلائیں کڑی اپنی
بڑے یہ کون تو ہیں مجھ پہ جو پتھر اٹھاتے ہیں

جمائے ہیں ستم سہنے کو اب ہم بھی قدم اپنا
اٹھائیں سر اٹھانے والے جتنا سر اٹھاتے ہیں

ہماری ایسی بیماری پہ سو صحت تصدق ہے
وہ اپنے دست نازک سے ہمارا سر اٹھاتے ہیں

۱۔ اضافہ مرتب۔ ۲۔ جگہ خالی ہے۔

یہاں تو ان کے قدموں سے جدائی موت ہے اپنی
کوئی ہوں گے جوان کے پاؤں پر سے سر اٹھاتے ہیں
مرا دل غمزہ بے جا خود ہی محشرستاں ہے
قیامت اور بھی وہ ناز سے اٹھ کر اٹھاتے ہیں
نظر نیچی رہی میری وفا سے عمر بھر جن کی
خدا کی شان ہے، وہ آنکھ اب مجھ پر اٹھاتے ہیں
سرا ہیں وہ کلیجا کیوں نہ ارباب محبت کا
ہزاروں صدمۂ جانکاہ اک دل پر اٹھاتے ہیں
کسی صورت زباں سے وصل کی حامی نہیں بھرتے
وہ اپنا اک یہی وعدہ قیامت پر اٹھاتے ہیں
ہماری خانہ ویرانی کی پروا ہو انہیں کیونکر
ابھی تو وہ گھروندا کھیلتے ہیں گھر اٹھاتے ہیں
نکلتے بیٹھتے دن تک پہنچ جاتے ہیں منزل پر
جو پو پھٹتے ہم اہلِ کارواں بستر اٹھاتے ہیں
بتوں کے ناز اٹھانے کو کلیجہ چاہئے سید
ہم ان کی بات سہتے ہیں کہ اک پتھر اٹھاتے ہیں

نا امیدی رحم اب باز آئے ضبطِ غم نہیں
آئے دن ان کے ستم اور اپنے دم میں دم نہیں
گرمی سوز محبت جاذب خوں بن گئی
آگ وہ دل میں لگی ہے چشم گریاں نم نہیں
اس کو ہستی سے ہے اپنی موت رشک زندگی
وہ ستمگر تو سلامت ہے بلا سے ہم نہیں
تن گیا ہے جب سے غم کا شامیانہ چرخ پر
فرش دنیا دوستو کس دم صف ماتم نہیں
ہے حباب بحر کی صورت ہوا پر زندگی
سانس باہر ہوگئی جس وقت اس دم ہم نہیں
جس قدر رونا تھا پھولوں کی ہنسی پر رو چکا
اب فلک کی آنکھ میں یک قطرہ شبنم نہیں
تازگی گل پہ اے دل کیوں نہ روئے عندلیب
اشک حسرت باغ کی حالت پہ ہے شبنم نہیں
[1]سبزۂ اغاز تک بس ہے جوانی کی بہار
آسماں اونچا ہوا اے دل تو پھر شبنم نہیں
ان کی تیغ بے نیازی ہے جو سید باڑھ پر
ہم بھی دل میں ٹھان بیٹھے ہیں کہ اک دن ہم نہیں

۱۔ کلیات: سبزۂ اغازی ہی تک بس ہے جوانی کی بہار

غزل بہ ترکیب علامہ اقبال [۱]

نظر اے تصور جاں فزا، نہیں چین اب کسی حال میں
یہی آرزو ہے کہ عمر بھر، رہوں غرق بحر خیال میں
کوئی کہئے کس لئے رات دن نہ مرے کسی کے خیال میں
کہ نہاں خوشی کی ہے اک جھلک اسی غم میں رنج وملال میں
ترے جلوے کا ہو وہ ارتقا کہ سما سکے نہ خیال میں
لگے چار چاند ہلال حسن ابھی اور بدر کمال میں
کہیں موت لے نہ مری خبر، کہیں رک نہ جائے وہ فتنہ گر
ہے کہاں کی تیرگی اس قدر شب ہجر و شام وصال میں
ہے عجیب منظر دلکشی نہیں ہوش پر بھی کچھ آگہی
ہے بہار کس کے خیال کی، مرے عرصہ گاہ خیال میں
تو ازل کے دن سے ہے روبرو، کوئی بے سبب نہیں تو ہی تو
وہ حریم ناز کی گفتگو ہے ابھی تک اپنے خیال میں
کہیں شمع ناز کی روشنی، کہیں ضو چراغ نیاز کی
کوئی غن ہے حسن و جمال پر کوئی مست مشق خیال میں
نہیں چین دل کو تری قسم، یہی تال اور یہی ہے سَم
یہی راگ الاپ رہے ہیں ہم کوئی دن سے اپنے خیال میں
ہمیں کاش ایسی ہو بے خودی کہ چھوئے ہوا بھی نہ ہوش کی
نہ گماں ہو نفی ثبات کا، رہے قال کچھ بھی نہ حال میں
ہے تمام میری ہی گفتگو، ہمہ تن ہوں عالم آرزو
کئی شرح دفتر عاشقی ہے لکھی ہوئی مرے حال میں

۱۔ کلیات میں اسی طرح درج ہے۔

ہو مری جبین نیاز کی ترے گھر پہ ہر گھڑی عاجزی
تیرے آگے ہو نہ کشیدگی کبھی میرے دست سوال میں
ہے جو سید اس گھڑی سامنے، اسی بدنصیب غلام نے
اسی شعرگو کے کلام نے دیئے حسن تیرے جمال میں

۱۹۴۰ء

بڑے ناز سے وہ ادھر دیکھتے ہیں — جو دل کا ہمارے جگر دیکھتے ہیں
ہمیشہ ہے چربانک دیدہ بتوں کا — کہاں ان کی نیچی نظر دیکھتے ہیں
زمانے نے پانی چڑھایا کچھ ایسا — کہ ہر ذرے کو اب گہر دیکھتے ہیں
رقیبو تمہارا کہاں ہے کلیجہ — جواں مرد ان کی نظر دیکھتے ہیں
بتو خاک جھونکو نہ آنکھوں میں سب کی — تمہیں خوب اہل نظر دیکھتے ہیں
ہیں کیا بدگماں مجھ سے صیاد و گلچیں — ہوا میں مرے بال و پر دیکھتے ہیں
ٹھہرتا نہیں ان کی آنکھوں میں سرمہ — وہ ناحق مری چشم تر دیکھتے ہیں
کسی دن اندھیرا ہوا چاہتا ہے — ہم اپنے کو شمع سحر دیکھتے ہیں

بڑی لاؤ بالی ہے سرکاران کی
سمجھ رکھ کے سید کدھر دیکھتے ہیں

جون ۱۹۴۰ء

کھٹکتا ہے تو رہزنوں کی نظر میں — ذرا ہوشیار اے مسافر! سفر میں
سرا میں ہے یوں جیسے انسان گھر میں — ہے کہنے کو دنیا کی دنیا سفر میں
ہے تلوار کی کاٹ ان کی نظر میں — دکھانے کو رکھتے ہیں خنجر کمر میں

ٹھہر اے مسافر، نہ گھبرا سفر میں
سحر ہو چلی اب، پہر دو پہر میں
ہزاروں بکھیرے ہیں اس زلف و رخ سے
نہاں لاکھ فتنے ہیں شام و سحر میں
فرشتوں کی ہستی نہیں اس کے آگے
خدا کی خدائی بھری ہے بشر میں
نگاہوں کے ماروں کی ہے موت گویا
نہ جانے کہاں کا ہے جادو نظر میں
ہزاروں ہی آفت ہے لاکھوں مصیبت
گذارا نہیں ہے کسی رہگذر میں
قیامت کا دن، دور فرقت ہے ان کا
اک اک پل گذرتی ہے سو سو پہر میں
ترا ذکر ہر صفحۂ شام پر ہے
ترا تذکرہ ہر بیاضِ سحر میں
یہ رستہ کٹھن اور منزل کڑی ہے
خدا ہی خدا ہے عدم کے سفر میں
شکاری کی آنکھیں فقط ہیں مجھی پر
ہیں سرخاب کے پر مرے بال و پر میں
یہ دونوں ہی گھر ہیں کسی کی نظر کے
اگر دل سے نکلی سمائی جگر میں
بھلا کیا خبر ان کو ہم بے کسوں کی
کہ محفل میں گھر اور محفل ہے گھر میں
ان آنکھوں نے آخر انہیں، مار رکھا
گئے حضرت دل نظر ہی نظر میں
کہاں تو ہے دل میں مرے رہنے والے
کوئی دن نہ دیکھا تجھے عمر بھر میں
ہو کیوں مجھ پہ صیاد کی آنکھ سیدؔ
ہے رکھا ہی کیا اب مرے بال و پر میں

پتھرائے اپنے دیدہ صورت نگر کہاں
قسمت جو دیکھئے کہ گڑی ہے نظر کہاں
خود کیا ہے اور کون ہے سمجھا بشر کہاں
سب کی خبر سہی مگر اپنی خبر کہاں
نازاں ہوں میں کہ اپنی لڑی ہے نظر کہاں
دنیا میں لاکھ ہو کوئی تجھ سا مگر کہاں
کیا ان کے دل میں درد بھرے میرے دل کی چوٹ
اے آہ نارسا، وہ ترا اب اثر کہاں
اب کھل گیا تمام رگ و پے میں زہر عشق
بیمار غم دوا بھی کرے تو اثر کہاں
دنیا ہے حسرتوں کی اندھیری پڑی ہوئی
اے مبتدائے عشق ہے تیری خبر کہاں

ممکن نہیں کہ تیری ہوا تک پہونچ سکوں
یہ آنکھ تجھ کو دیکھ لے اتنی نظر کہاں

کس کو نصیب دیدۂ باطن کی روشنی
ہیں آنکھ والے سب مگر اہل نظر کہاں

پھوٹے نصیب والوں کی دنیا اجاڑ ہے
ظالم تری نگاہ تلطف ادھر کہاں

مستانہ وار رہتے ہیں ہم کوئے یار میں
کس کو خبر ہے پاؤں کہاں اور سر کہاں

اک عمر گذری شام وطن سے جدا ہوئے
دکھلائے گی نہ جانے غریبی سحر کہاں

صرف ایک تیرے رخ کی تجلی ہے اور تو
خلوت میں تیری یار کسی کا گذر کہاں

ان کے حضور گریۂ بے اختیار کیوں
ہم کو ڈبوئے دیتی ہے اے چشم تر کہاں

صیاد دلربا نے کیا کس چمن کا رخ
اڑ اڑ کے جا رہے ہیں مرے بال و پر کہاں

اڑ کر چمن میں آوں تو کس طرح آؤں میں
صیاد تیری نذر کو بازو میں پر کہاں

ہر نقش ہائے ناز یہاں اک بہشت ہے
جنت ہزار کچھ ہو، تیری رہگذر کہاں

مجنون عشق سے ترے اللہ کی پناہ
دنیا پکارتی ہے کہ حضرت ادھر کہاں

منزل ہماری ہائے کڑی کی کڑی رہی
یاران رفتہ پہونچے ہمیں چھوڑ کر کہاں

سیدؔ لحد میں دل کی رفاقت ضرور ہے
ایسے اندھیرے گھر میں اکیلے گذر کہاں

۱۹۴۴ء

کیا بپا کرتی ہے طوفاں چشم تر برسات میں
آنسوؤں کی اک جھڑی رہتی ہے ہر برسات میں
کس بہار دلکشا کی تھی خبر برسات میں
رہ گئے پر تول کر سب جانور برسات میں
کھیلتے ہیں رند میکش، جان پر برسات میں
مئے کی اک اک بوند پر اڑتے ہیں سر برسات میں

کاٹے کھاتا ہے جنوں ہر لمحہ گھر برسات میں
کیا بہار باغ ہے وحشت اثر برسات میں

اب مرے اشکوں سے دنیا پانی پانی ہوگئی
اک سمندر بن گئی ہے چشم تر برسات میں

آئینے میں دیکھو بھیگے بھیگے بالوں کو نہ تم
اپنی ہی لگ جائے گی تم کو نظر برسات میں

واہ رے ہنگام نوشانوش ساون کی جھڑی
لہلہا اٹھا چمن زار نظر برسات میں

دیکھ لیں وہ کاش میرے غنچۂ امید کو
رہتی ہے ہر پھول پر سب کی نظر برسات میں

ہائے رے ان گیسوؤں کی نکہت فرحت فزا
رشک جنت ہے کسی کی رہ گذر برسات میں

نونہالان چمن کیوں کر تروتازہ نہ ہوں
رہتی ہے صبح بنارس، ہر سحر برسات میں

خیر ہو ان آنسوؤں سے قصر تن کی خیر ہو
ڈھیر ہوجاتے ہیں اکثر، گھر کے گھر برسات میں

ان کی اک چشمک میں میخانے کا میخانہ ہے غش
رند میکش کو کہاں تاب نظر برسات میں

ابرو باراں دیکھ کر کچھ دوڑ ہی جاتی ہے لہر
یوں تو میں پیتا نہیں سیدؔ مگر برسات میں

دسمبر ۱۹۴۴ء

خدا آزمائش سے رکھے اماں میں — ذرا بھر جو چوکے، گئے امتحاں میں
میں پاس وطن سے ہوں قید گراں میں — قفس کی مصیبت ہے اب آشیاں میں
بری ساعتیں آ ہی پہونچیں خزاں میں — اسی دن کو روتے تھے ہم آشیاں میں
حقیقت ہی اے برق کیا خار و خس کی — ہیں گنتی کے تنکے فقط، آشیاں میں
چمن آتش گل سے لہکا ہوا ہے — ہے اک آگ بھڑکی ہوئی آشیاں میں
کسی طرح ٹھنڈا ہو تیرا کلیجا — لگادے بھی صیاد آگ آشیاں میں
ازل میں پلائی تھی ساقی نے کیسی — ابھی تک وہی چاشنی ہے زباں میں
عجب ان کی گلکاریاں ہیں زمیں پر — لگائے ہیں وہ چار چاند آسماں میں
ہمیشہ کسی کو بھی یکساں نہ دیکھا — یہ خوبی نہیں آج تک آسماں میں
ہے دنیا میں دھندلی سی تصویر اپنی — یہی اک نشاں رہ گیا ہے نشاں میں
نہ سر ہی رہے گا نہ سودا ہی باقی — بنالو تو بن جائے چلتی دکاں میں
احبا ٹھکانے لگادیں گے مٹی — بڑا اک سہارا ہے یہ کارواں میں
ہوئی خاک پس پس کے ہڈی بھی اپنی — ہمیں کوئی ڈھونڈھے کہاں کارواں میں
کٹھن کس کی منزل ہوئی جارہی ہے — بھلا ہوش اتنا کسے کارواں میں
چلے جاتے ہیں گرتے پڑتے احبا — بری طرح بھگدڑ مچی کارواں میں
رہے خیریت صبر و ہوش وخرد کی — کئی قافلے ہیں مرے کارواں میں
خدا جانے برسے گا کب ابر رحمت — ہماری تو گرد[1] اڑگئی کارواں میں

گئے گذرے پہلی ہی منزل میں سید
جرس اب پکارا کرے کارواں میں

۱۔ دیوان میں اسی طرح درج ہے۔

۱۹۴۴ء

جہاں میں ہم تو سمجھتے ہیں کچھ نہیں ہم ہیں
مبارک آپ کو صاحب کہ بس ہمیں ہم ہیں

ہے چار سمت فقط حسن و عشق کا جلوہ
زمانے بھر میں کہیں آپ ہیں کہیں ہم ہیں

جو دشمنوں کو وہ کہتے ہیں چاہنے والے
تو بول اٹھتے ہیں ہم بھی نہیں نہیں ہم ہیں

ہماری یاد کی زحمت، حضور کیوں کھینچیں
جہاں پہ آپ طلب کیجئے وہیں ہم ہیں

یہی عروج ملا دے گا خاک میں ہم کو
جو آسماں پہ سر اٹھا کہ بس زمیں ہم ہیں

ہماری ذات ہو کیوں کر نہ سب کا آئینہ
نصیب ور کی چمکتی ہوئی جبیں ہم ہیں

ازل سے رکھتے ہیں عنقا صفت وجود اپنا
برائے نام جہاں میں کہیں کہیں ہم ہیں

ہمارے آگے جھکاتا ہے آسمان بھی سر
یہ کس دیار کی اللہ سرزمیں ہم ہیں

ہے ان کی ذات سے وابستہ اپنی ہستی بھی
وہ ہر لباس کے دامن تو آستیں ہم ہیں

فرشتہ خو سہی لیکن ہیں خاک کے پتلے
ہزار کچھ ہوں مگر پھر بھی کچھ نہیں ہم ہیں

ہو دور شمع سے محفل میں کیسے پروانہ
جہاں پر انجمن آرا ہیں وہ، وہیں ہم ہیں

عدم کی راہ سدھارے سدھارنے والے
ہزار حیف کہ سید ابھی یہیں ہم ہیں

❁

ہم نوا ہے دور دورا باغ کا دو چار دن
باندھ لے بادِ صبا، اپنی ہوا دو چار دن

حسن والے مان لیں ہوتا ہے کیا دو چار دن
چار جانب عشق کا ڈنکا بجا دو چار دن

یار کے آنے سے پہلے آ گئی اپنی اجل
زندگی کے سامنے کیا چیز تھا دو چار دن

اب تجھے ہے رنگ رلیوں کی گھڑی کا واسطہ
ایک دو تین اے ستم گر، ہو چکا دو چار دن

خاک ہو کر بھی نہ ہے ہے ان کے کوچے میں رہے
اپنے مرنے پر چلی ایسی ہوا دو چار دن

کون امید وصل میں جیتا رہے اب حشر تک
سو برس سے کم نہیں ظالم ترا دو چار دن

میرے نالوں پر نصیحت دکھ پہ دکھ ہے ہمدمو
کاش کوئے یار میں مجھکو بٹھا دو چار دن

ہے نہ وہ بزم طرب سید نہ سامان نشاط
دور دورا ہوگیا دنیا میں کیا دو چار دن

۱۹۳۵ء

پلکیں اٹھتی نہیں اے عشق گرے جاتے ہیں
ہائے کس نیند کے اک عمر سے ہم ماتے ہیں

کیوں گرفتار محبت سے وہ گھبراتے ہیں
رشتۂ عشق کو اس زلف سے سوناتے ہیں

جُل وہ دیتے ہیں تو بڑھتا ہے تمسخر ان کا
چال چلتے ہیں تو کچھ اور بھی اتراتے ہیں

کٹنے والی نہیں کیا عشق کی منزل یارب
ہر قدم اب تو مرے پاؤں رہے جاتے ہیں

کہیں آئی نہ ہو جنگل میں ببولوں کی بہار
اے جنوں خیز کہ تلوے مرے کھجلاتے ہیں

کب کے چلتے ہوئے یارانِ طریقت اپنے
ہم بھی جب تک چلے جاتے ہیں چلے جاتے ہیں

سید اک چال پہ ہے اپنی بہار اور خزاں
پھول کاغذ کے ہیں کھلتے ہیں نہ مرجھاتے ہیں

مصرعہ طرح امتحانیہ بہ مقام درگاہ شاہ ارزاں قدس سرہٗ ۱۹۲۷ء

طرح[۱]: تیرے ظلموں سے پریشاں اے بت بے پیر ہوں

نقطہ نقطہ کہہ رہا ہے، یادگار میر ہوں
ہاں اسے کہتے ہیں اردو، ہاں ہے تحریر ہوں

کس بھروسے پر جہاں میں مائل تدبیر ہوں
جس کی شومی نامزد ہے، میں وہی تقدیر ہوں

ہوں میں تاراج خزاں، بلبل صفت دلگیر ہوں
سلطنت لوٹی ہوئی، اجڑی ہوئی تعمیر ہوں

حلقہ بندی طوق کی صورت تو مشکل کام ہے
یہ نہیں قسمت کہ تیرے پاؤں کی زنجیر ہوں

ایک تو اپنا تفکر، دوسرے اس کا خیال
دل کے ہاتھوں قیدی زنجیر در زنجیر ہوں

۱۔ کلیات میں اسی طرح درج ہے۔

صرف صورت کا مری خاکہ[1] ہی خاکہ رہ گیا ‌ ‌ رنگ و روغن اب کہاں، دھندھلی سی اک تصویر ہوں
تو اگر چاہے تو کردوں آن میں میدان صاف ‌ ‌ قتل گاہ عام میں قاتل تری شمشیر ہوں
مجھ پہ دعویٰ حضرت دل، عشق میں بیکار ہے ‌ ‌ آپ یہ سمجھے میں شاید آپ کی جاگیر ہوں
ہائے رے قسمت رہوں شاکر میں جن کا عشق میں ‌ ‌ مجھ سے یہ فرمائیں وہ، میں کیا تری تقدیر ہوں
داور محشر کے آگے بھی، مری پرشش نہیں ‌ ‌ شاید ان کی شوخیاں، اغیار کی تقصیر ہوں
اور اب کیا ہوگی گرم[2] و سرد دنیا کی مثال ‌ ‌ تو شعاع مہر ہے میں ماہ کی تنویر ہوں
میں کوئی ایسا گیا گذرا نہیں او شہسوار ‌ ‌ خاک بھی ہوکر کبھی یترانہ دامن گیر ہوں
غیر ممکن ہے کہ اپنی جا سے جنبش ہو مجھے ‌ ‌ میں ہوں قلابہ فلک کا عرش کی زنجیر ہوں
میری رگ رگ جوش وحشت سے عیاں ہے ہمدمو ‌ ‌ میں مجسم عشق میں زنجیر ہی زنجیر ہوں
تھا فقط چڑھتی جوانی تک مراوہ شور و شر ‌ ‌ کھولتا پانی کہاں تک وقت پیری، تھیر ہوں
مرے سکتہ دیکھنے دنیا میں اب آتے ہیں لوگ ‌ ‌ اس مرقع میں عجب حیرت زدہ تصویر ہوں
اپنی ہستی اک امید و بیم کے چکر میں ہے ‌ ‌ ہوں مقدر صبح کا، میں شام کی تصویر ہوں
شام غربت میں بھی دیکھوں گا کبھی صبح وطن ‌ ‌ ہے ہوا درکار، پتے سے چھپی تقدیر ہوں
ان کا وہ نقشہ کہ جس کے دیکھنے والے ہزار ‌ ‌ میری یہ صورت کہ اپنی آپ ہی تصویر ہوں
منھ لگائے کون دنیا میں، سرا ہے کوئی کیا ‌ ‌ جام ہوں ٹوٹا ہوا، پھوٹی ہوئی تقدیر ہوں

اب کہوں بھی کچھ تو سمجھی جائے گی شاعر کی بات
ہوں تو میں سید مگر کس منھ کہیے میر ہوں

۱۹۳۵ء

بے وجہ درد ہجر عدم رفتگاں نہیں ‌ ‌ ایسے مٹے کہ اب کہیں ان کا نشاں نہیں
پوشیدہ ہم سے جلوہ گہہ لامکاں نہیں ‌ ‌ اپنی نظر کے واسطے، روک آسماں نہیں
صحرا نہیں، مکاں نہیں، لامکاں نہیں ‌ ‌ ہرجائی تیرے ڈھونڈھنے والے کہاں نہیں

۱۔ کلیات: خاکا
۲۔ کلیات: اضافہ مرتب

مجروح تیغ عشق کی اللہ رے تشنگی
لب تک بھی اب تو آنے کے قابل زباں نہیں
جاندادگان حسن کا رکھتے کبھی نہ نام
افسوس منھ میں آپ کے میری زبان نہیں
کعبہ بھی اس کا گھر ہے، کلیسا بھی اس کا گھر
کس منھ سے میں کہوں وہ کہاں ہے کہاں نہیں
روز ازل سے چرخ کی دوّارہے صفت
گردش سے دے نجات، یہ وہ آسماں نہیں
آزاد کر دے اپنی بساط و حصار سے
ایسی کوئی زمین کوئی آسماں نہیں
بجلی بنی ہے صرف میرے ہی لئے فقط
یارب عدو کے واسطے کیا آسماں نہیں
جنگل میں بھی عذاب محبت ہے دم کے ساتھ
ہم مٹنے والوں کے لئے مرنا کہاں نہیں
صیاد خاک سمجھے گا تو میری بولیاں
اپنا اب اس چمن میں کوئی ہمزباں نہیں
جھاڑو پھری چمن میں خزاں کی کچھ اسطرح
دو چار تنکوں کا بھی کوئی آشیاں نہیں
سید مرا فسانہ ہستی بھی ہے عجیب
ہر شخص جانتا ہے کہ یہ داستاں نہیں

۱۹۴۵ء

میری جاں جب سے بغل میں تو نہیں
جسم رکھتا ہوں مگر پہلو نہیں
کوئی کروٹ چین کا پہلو نہیں
جب سے اے میری جوانی تو نہیں
ہے اجل سر پر کھڑی قابو نہیں
ہائے ایسے وقت ظالم تو نہیں
اک دلہن ہے غنچہ غنچہ باغ کا
کون سی پتی ہے جو گل رو نہیں
ہائے کس کم بخت کا چمکا نصیب
آج رخ پر یار کے گیسو نہیں
سوزِ غم نے خشک کر ڈالا لہو
آنکھ میں رونے کو بھی آنسو نہیں
بحرِ غم میں ڈوبیں سید پھول کیا
بارشِ شبنم کوئی آنسو نہیں

۱۹۴۶ء

کم نہیں کوئی گھڑی زور ہوا کا دل میں
بستیاں جس پہ تصدق ہے وہ صحرا دل میں

قطرہ بھر خون بھی اے عشق نہ رکھا دل میں
بات اس حوصلے کی ہے اسی دریا دل میں

کب نہیں حسرت وارمان وتمنا دل میں
پوچھئے آپ تو دنیا کی ہے دنیا دل میں

دل کو سمجھا ہے وہ نادان گھروندا، دل میں
کھیلتی ہے ابھی ظالم کی تمنا دل میں

میرے پہلو میں تم آبیٹھو جو خلوت چاہو
ایک چھوٹا سا ہے گھربار، مزے کا دل میں

کعبۂ شوق میں روشن میں کروں گھی کے چراغ
اتر آئے جو مری آنکھ کا تارا دل میں

روٹھتا ہے تو کسی طرح یہ منتا ہی نہیں
تیری نخوت ہے، ترے والہ وشیدا دل میں

لوگ بتخانہ وکعبہ میں ہیں کیوں سرگرداں
یار کی جلوہ گری آنکھ میں ہے یا دل میں

بھولتی ہی نہیں احباب گذشتہ کی شبیہ
اب بھی تصویر کا دھندلا سا ہے نقشہ دل میں

کیوں نہ ویراں رہے افسوس خوشی کا مسکن
رنج و ارمان والم کا ہے بکھیرا دل میں

کوئی بے وجہ نہیں عشق سے خلقت کا لگاؤ
یہ وہ دریا ہے کہ جس کا ہے کنارا دل میں

خوبرویان جہاں کی ہے حقیقت معلوم
یوسفی اپنی جتائے نہ زلیخا دل میں

اشک پیہم مری آنکھوں سے ہیں نکلے پڑتے
خیر ہو خیر ہے چڑھتا ہوا دریا دل میں

باغ میں چلنے لگے بادخزاں کے جھونکے
شادمانی کی ہوا آئے گی اب کیا، دل میں

ہم سے محروم نیاز اپنی خوشی کیا جانیں
حسرت ویاس کی مورت ہے، تمنا دل میں

وسعت کون ومکاں لائے کہاں سے کوئی
ایک ارماں ہوتو ہوجائے گذارا دل میں

بھور ہوجائے نہ کیوں اپنی خوشی کی سید
کردیا ہے غم وحرماں نے سویرا دل میں

۱۹۴۸ء

نہ قابو جسم پر اپنا، نہ دل اپنا ٹھکانے میں
نہ جانیں دیر کیا باقی ہے اب دنیا سے جانے میں
مری تقدیر کا اب اور کیا ہے اس خزانے میں
کہ قسمت ٹک چکی ہر آدمی کے دانے دانے میں
نہیں تیرے مقابل کوئی ان داتا زمانے میں
کمی کہتے ہیں کس کو یا خدا تیرے خزانے میں
نظر آتا نہیں اب کوئی فرق رونے میں گانے میں
کچھ ایسا سوگ چھایا ہے، حسینوں کے ترانے میں
خدا دیتا ہے کھانے کو، بشر حاتم ہے کھانے میں
کسی کا کیا اجارہ ہے، کسی کے آب ودانے میں
بشر اپنے کو بس دکھ درد کا خوگر کیے رکھے
ہمیشہ رنج وغم کا خوف ہے آرام اٹھانے میں
قیامت ہے خفا ہونا بگڑنا، روٹھنا اس کا
گذر جاتی ہے ساری رات ظالم کے منانے میں
اندھیری کیوں رہے ہم طالب دیدار کی دنیا
محبت کی تجلّی ہے تمہارے آستانے میں
کسی صورت ہو اس کی یاد میں لذت نرالی ہے
پپیہے پی کہاں میں مست، بلبل چہچہانے میں
خدا جانے کہاں جانے کی اس نے دل میں ٹھانی ہے
کہ شانہ زلف میں الجھا ہے زلف الجھی ہے شانے میں
بشر سمجھے کہ دولت یک بہ یک حاصل نہیں ہوتی
زمانہ چاہئے انسان کو دنیا بنانے میں
خدا معلوم مجھ سے کیسی ضد بیٹھی ہے ظالم کو
وہ دھن باندھے ہیں میرا نام دنیا سے مٹانے میں
کوئی دم کھلکھلا کر تم اگر ہنس دو تو آفت ہو
کلیجا چھید دیتے ہو، ذرا سے مسکرانے میں
بتوں کا شغل ہے[۱] تعمیر دل مسمار کر دینا
نہ جانے کیا مزا ملتا ہے اس کعبے کو ڈھانے میں
حجاب آتا ہے دشمن سے بھی سید دشمنی کرتے
کہ غیریت کچھ ایسی چھا گئی اپنے یگانے میں

۱۹۴۹ء

ہماری جان کو وہ جان، دل کو دل سمجھتے ہیں
خدا رکھے بڑی مشکل سے اب مشکل سمجھتے ہیں
وہ کہتے ہیں کسی کا دل ہو اپنا دل سمجھتے ہیں
ہم ان باتوں کو مشکل جانتے، مشکل سمجھتے ہیں
ہیں دھوکے میں جو تم کو قدر دان دل سمجھتے ہیں
بڑی مشکل سے سمجھا ہے، بڑی مشکل سمجھتے ہیں

۱۔ کلیات میں درج نہیں۔ اضافہ مرتب ہے۔

تعجب کیا اگر دریا کو ہم ساحل سمجھتے ہیں
یہ اہل دل کی باتیں ہیں، یہ اہل دل سمجھتے ہیں
کسی کے ساتھ ہمدردی، بڑی مشکل سمجھتے ہیں
کہاں کے آئے وہ ایسے، جو دل کو دل سمجھتے ہیں
ہم اپنے دل کے چھن جانے کی پروا کیوں کریں ہمدم
محبت کو حساب دوستاں دردل سمجھتے ہیں
الٰہی ہائے محروم تمنا کیسے بن جاؤں
وہ میرے دل کو سوا رمان والا دل سمجھتے ہیں
کلیجے سے لگائیں کیوں نہ قدموں کی نشانی کو
کہ ہم ہر نقش پائے رہرواں کو دل سمجھتے ہیں
جہاں میں چوٹ ہی کھائی طبیعت اک طبیعت ہے
جو ہو کچھ آشنائے درد، اسی کو دل سمجھتے ہیں
ذرا ہلکے قدم اٹھیں کسی کی رہگذر والو
ہم اس رستے میں ہر ذرہ کو اپنا دل سمجھتے ہیں
خدا توفیق دے ان کو وہ اتنا ہی کبھی کہہ دیں
ارے مشکل کے مارے ہم تری مشکل سمجھتے ہیں
نہیں پتھر وہ ایسے کوئی جس میں جونک لگ جائے
وہ سارا زور تیرا جذبہ کامل سمجھتے ہیں
ادائیں کرتی ہیں خلوت کی سب باتیں رقیبوں سے
سمجھ والے تری چشمک سر محفل سمجھتے ہیں
رہا کرتی ہیں رقصاں دل میں لاکھوں ہی تمنائیں
ہم اپنی کنج تنہائی کو اک محفل سمجھتے ہیں
کہیں پہ بیٹھ ہی رہنا ہے مٹی تھام کر ہم کو
جہاں پر بیٹھ جاتے ہیں، وہیں منزل سمجھتے ہیں
غرض اک گرد اڑانے سے ہے مجنون محبت کو
نہ رستہ جانتے ہیں ہم، نہ ہم منزل سمجھتے ہیں
جگہ پر اپنی گڑ جاتے ہیں سنگ میل بن بن کر
وہ ہلتے بھی نہیں، منزل کو جو منزل سمجھتے ہیں
نہ کیونکر قدر اپنے خاطر محزوں کو ہو سید
کہ میرے دل کو اب وہ اپنے دل میں دل سمجھتے ہیں

۱۹۴۸ء

کس زبان سے میں بتاؤں کیا جواہر لال ہیں
آنکھ کا دنیا کی اک تارا جواہر لال ہیں
کیوں نہ چمکیں اے عروس منفعت تیرے نصیب
آج نوشاہوں کے سر سہرا جواہر لال ہیں
موتیوں کا کیوں نہ یارب میرے گھر انبار ہو
بارش رحمت کے اک دریا جواہر لال ہیں
غرق بحر نیل ہو کیونکر نہ فرعون عدو
دشمناں کے حق میں اک موسیٰ جواہر لال ہیں
ان کے قدموں پہ ہے لاکھوں ہی تمنا کا ہجوم
سیکڑوں ارمان کی دنیا، جواہر لال ہیں
ڈوب جاؤں ان کے دھارے میں تو بیڑا پار ہو
آج اک بہتی ہوئی گنگا جواہر لال ہیں
آب زر سے آپ کے اوصاف لکھنا چاہئے
آپ بھی دنیا میں اک ہیرا جواہر لال ہیں

ناسمجھ ہیں تیرے ارکان حکومت اے بہار
تیری بدنامی کا ایک پردا جواہر لال ہیں
ان کے صدقے میں ہے قائم تیری عزت آبرو
تیری خوش نامی کے رکھوالا جواہر لال ہیں
خیر جینے کی مرے تیری حکومت میں نہیں
اب مرے ملجی میرے ماوا جواہر لال ہیں
مار ڈالا ہائے تو نے مارے فاقوں کے مجھے
اک بھروسا میری روزی کا جواہر لال میں
پھر وہی دلّی ہے سیدؔ راجدھانی ہند کی
پھر اسی تصویر کے پتلا جواہر لال ہیں

❁

جہاں میں کس لئے بیکار حیران و پریشاں ہو
بشر کے واسطے اچھا ہے یہ دل ہو نہ ارماں ہو
ازل سے بے سروسامانیاں قسمت میں لکھی ہیں
کہاں سے دل بہلنے کا مرے، دنیا میں ساماں ہو
ذرا سوچو تمہارا شیوہ کیا ہے کیا شعار اپنا
جہاں میں ایک ہم بھی آدمی ہیں تم بھی انساں ہو
چراغاں کیا ہوائے دہر کچھ ایسی مخالف ہے
کہ محتاج ایک چنگاری کو بھی گورِ غریباں ہو
کوئی پروا نہیں ہے تیرے دیوانوں کی ذلت کی
وہی عزت کو جھینکے جس کو دامن ہو گریباں ہو
ابھی گو جھیلتا ہوں، فرقتِ جاناں کی تکلیفیں
خدا چاہے تو سیدؔ غیب سے راحت کا ساماں ہو

❁

اے آنکہ گشت عرش بریں پائیگاہ تو
چشمان ما بہ ہر قدمے فرش راہ تو
آواز صور پشت نمود از فغان خویش
حشرے تو حشر کرد بپاداد خواہ تو
از جور درد ہجر تو جویم کجا پناہ
پنہاں زچشم، ہستی عالم پناہ تو
چوں بردر تو خم نہ نمایم سر نیاز
اے حسن[۱] وعشق[۲] قبلۂ خانقاہ تو
از بہر کشتگاں سخت چوں قم مسیح
مرہم بپئے فگار دلاں یک نگاہ تو
چشم کرم زسیدِ مسکینِ خود مپیچ
سویش بہ بیں کہ ہست سگ بارگاہ تو

❁

۱۔ کلیات: ایما جانب شاہ امیر صاحب حُسنؔ   ۲۔ ایما جانب حضرت رکن الدین عشق قدس سرہٗ۔ حضرت عشق کی خانقاہ تکیہ بارگاہِ عشق بہ محلہ میتن گھاٹ لب گنگا موجود ہے۔ اسی احاطے میں چبوترے پر آپ کا مزار مبارک بھی ہے۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ دیوان اردو شائع ہو چکا ہے۔ سید کا اس خانقاہ سے خاندانی تعلق تھا۔

اپنی حد تک ہو، جہاں تک فکر ننگ و نام ہو
اپنے مرکز سے نہ باہر، گردش ایام ہو

زیر گردوں کیا قیام بزم دور جام ہو
رات دن کایا پلٹ جب گردش ایام ہو

عمر بھی جب یوں ہی[1] ظلم گردش ایام ہو
ہر بیاض صبح آنکھوں میں، سواد شام ہو

گرد اڑ جائے زمین کی، ہر زباں پر نام ہو
جو قدم اٹھے وہ سرپٹ ابلق ایام ہو

کیا امید اس کی کہ دنیا میں کبھی آرام ہو
آئے دن جب صبح پہونچے، آئے دن جب شام ہو

ہمت دل سے ابھی چلتے ہیں اپنے ہاتھ پاؤں
کیوں نہ ہم مقصد کو پہونچیں کیوں نہ اپنا نام ہو

اے دلِ وحشی تو رکھ نیرنگ دنیا کا لحاظ
ہوشیاری ہر قدم، دیوانہ پن ہر گام ہو

کام تو لے ضبط سے دنیائے غم میں آدمی
درد خود دارو بنے، تکلیف خود آرام ہو

مثل عنقا کیوں ہو دیوانوں کی شہرت کو ہوس
چھپ کے وہ بیٹھے جسے، پروائے ننگ و نام ہو

منحصر میری دوگانہ، خاص گھر میں کچھ نہیں
مغربین اپنی وہیں ہوگی جہاں پر شام ہو

ضبط درد و غم سے باز آئے نہ انساں عمر بھر
[2]اس میں اب تکلیف ہو، آرام ہو، آرام ہو

حضرت سیّد کی تو نے آج رکھ لی آبرو
طبع موزوں تجھ کو، سوتے جاگتے الہام ہو

۱۹۳۰ء

سخت جاں ہوں میں علم تیغ ادا کر دیکھو
ہاتھ دو ہاتھ زبردست لگا کر دیکھو

نقد جاں حضرت دل، ان پہ لٹا کر دیکھو
کوئی دن پیروی اہل وفا کر دیکھو

تم پہ مرنے سے نہ باز آئے گی دنیا ہرگز
لاکھ خلقت کو گرفتار بلا کر دیکھو

بھول جاؤ گے مری جاں مجھے حیراں کہنا
منہ تو اپنا کبھی آئینہ اٹھا کر دیکھو

۱۔ کلیات: یونہیں

۲۔ کلیات: اس میں اب تکلیف ہو، تکلیف ہو، آرام ہو، آرام ہو، ترمیم مرتب

طالب وصل گذرتے ہیں جہاں سے کہ نہیں — راہ اپنی کوئی دن اور دکھاکر دیکھو
جام جمشید ہے، ہر جام سفالیں زاہد — آنکھ کھل جائے گی میخانے میں آکر دیکھو
سید اوروں کی برائی پہ نہ ڈالو آنکھیں
پہلے سر اپنے گریباں میں جھکا کر دیکھو

سنہ ۱۹۳۰ء

ملے خلد میں جاکہ دوزخ میں گھر ہو — خدا جانے حشر اپنا کیا ہو اگر ہو
مبارک انہیں کو بت سیم بر ہو — گلوں کی طرح جن کی مٹھی میں زر ہو
ذرا بھی جونالوں میں پیدا اثر ہو — ابھی یار دنیا ادھر کی ادھر ہو
اکٹھا[1] ہیں سوز و گداز محبت — اگر دل دکھے تو نہ کیوں آنکھ تر ہو
سرشام اندھیر کی تونے دنیا — شب غم تری بھور، وقت سحر ہو
وفا پروری پر مروں کس لئے میں — جو آنکھوں میں میری، تمہاری نظر ہو
کمر بھی تو باندھے سیاحت پر انساں — مسافر کے آگے گھر آنگن سفر ہو
چکے کیا حیات دوامی کا قصہ — اجل سے بھی جب یہ لڑائی نہ سر ہو
کریں حشر تک صبر، عشاق کیونکر — گھڑی بھر کی ساعت بھی جب سو پہر ہو
سنے کون اس جا، صدائے غریباں — جہاں جشن جمشید آٹھوں پہر ہو
ہیں لاکھوں ابھی مثل فرہاد و مجنوں — فسانہ محبت کا کیوں مختصر ہو
اسی میں فقط بندگی کا مزا ہے — جبین نیاز اپنی ہو، تیرا در ہو
وہی بس ہے جاں باز الفت تمہارا — کہ ہر وار پر جس کا سینہ سپر ہو
رہو لو لگائے ہوئے ان کی سید
خدا جانے کس وقت کیسی نظر ہو

ا۔ کلیات: اکھٹا

۱۹۳۹ء

نہ کیوں اس در کو میں ترسوں، نہ کیوں روؤں مقدر کو
کہ بڑھ کر مجھ سے کچھ اس نے شرف بخشا ہے پتھر کو
کشاکش پر کشاکش ہے محبت قلب مضطر کو
یہ چاہے اپنے دم کی خیر یا مانے ستمگر کو
کسی کے منہ کی باتوں کا مزا کانوں کو ملتا ہے
خدا رکھے سلامت حشر تک، میرے پیمبر کو
نگاہ ناز قتل عام پر قابو نہ پائے گی
کہ پانی چاہئے میرے لہو کا ان کے خنجر کو
تو ہی شاید لگائے قلزم ہستی میں تھل[۱] بیڑا
سہارا ورنہ تنکے کا نہیں، تیرے شناور کو
ہنسی ان کی فقط دھوکا ہے، دنیائے محبت میں
کوئی تیوری چڑھانے پر تو دیکھے ان کے تیور کو
نہیں کچھ بھی اگر جنگل میں مجنوں ہی نہیں لیلیٰ
یہ دل گھر ہے اگر تو آدمیت چاہئے گھر کو
غضب ہے قلزم ہستی سے میں ساحل پہ آنکلا
شناور تھا اگر، تو ڈوب مرنا تھا شناور کو
ابھی خالی نہیں دنیا، ترے صحرانوردوں سے
ابھی دنیا میں ہیں جو قید خانہ کہتے ہیں گھر کو
نہ کیوں اس کی نظر چاہوں نہ کیوں اس کی نظر دیکھے
کہ نشتر دل کو ہے مرغوب، دل مرغوب نشتر کو

۱۔ کلیات: تھل بیر لگانا: ساحل مراد تک پہنچنا، ٹھکانے لگانا (فیروز اللغات)

مرے سجدوں سے ذات اس کی کہاں ہے بے نیاز اے دل
ہے میرے سر کی حسرت آج بھی اس در کے پتھر کو
نہیں ممکن کہ اب پھر مادر گیتی کرے پیدا
فریدون و جم و فغفور ودارا و سکندر کو
مٹائے مٹ نہیں سکتی کسی سے سر نوشت اپنی
بنا سکتا نہیں تقدیر کا لکھا مقدر کو
جو کل تک فرش زریں پر پڑے آرام کرتے ہیں
انہیں کا جسم نازک آج تر سندہ ہے بستر کو
مٹا دنیا سے سید اس طرح نام و نشاں اس کا
کہ ویرانی بھی اب روتی نہیں گور سکندر کو

انساں بنادیں گے، محبت سے کسی کو
کیا یاد کرے گا کوئی حسرت سے کسی کو
دل ہاتھ نہیں آتا، حکومت سے کسی کو
یوں دے دے کوئی جان، محبت سے کسی کو
کیوں یاد کروں قہر سے، آفت سے کسی کو
رفتار میں نسبت ہے، قیامت سے کسی کو
کب کوئی قضا بن کے نہیں کھیلتا سر پر
کب موت نہیں کھینچتی، شامت سے کسی کو
لو اپنے گرفتار محبت کی خبر اب
کس طرح چھڑاتے ہو مصیبت سے کسی کو
وہ باز نہ آئیں گے کبھی ناز و ادا سے
شکوہ ہے تو ہو عشق میں قسمت سے کسی کو
یہ تیز زبانی تری اچھی نہیں ناصح
سمجھاتا ہے انسان شرافت سے کسی کو
دنیا میں خزانہ کوئی مارا نہیں پھرتا
ہاتھ آتی ہے دولت، کہیں قسمت سے کسی کو
کیا یار کے پنجے سے نکل سکتے ہیں عشاق
کیوں جانے دیں وہ قبضۂ قدرت سے کسی کو
دل لے کے روانہ بھی ہوئیں شوخ نگاہیں
ہم دیکھتے ہی رہ گئے حسرت سے کسی کو
کیا بات مرے دل کی رخ یار کے آگے
سکتہ نہیں اس آئینۂ حیرت سے کسی کو
مٹ جائے وہ رفتار نزاکت پہ کسی کی
پالا نہ پڑا ہو جو قیامت سے کسی کو
بخشا ہی لیا مجھ کو خدا سے سر محشر
رحم آہی گیا میری ندامت سے کسی کو

نادار کے حق میں وہ زلیخا بھی نہیں ہیں — یوسف کی طرح مل گئے دولت سے کسی کو
میں خاک میں ملنے پہ بھی خورشید ہوں سید
کیا علم نہیں، میری حقیقت سے کسی کو

۱۹۴۶ء

اللہ مجھ کو اور بتوں کا نہ پاس ہو — یہ بات اس سے کہیے جو حق ناشناس ہو
بجھ جائے پیاس مئے کی جہاں تک بھی پیاس ہو — ان ہاتھوں ایک جام مجھے سو گلاس ہو
ممکن نہیں خوشی کی دیت، اس کے پاس ہو — دنیا میں جس غریب کا دل ہی اداس ہو
پوری نہ ہو تو ٹوٹ ہی جائے جو آس ہو — دل سے نکل ہی جائے جو دل کی بھڑاس ہو
بے مہر بے وفا ہیں حسینان باغ دہر — وہ پھول کیا کہ جس میں کوئی بو نہ باس ہو
مجھ کو ترے وجود سے اللہ انحراف — تجھ سے جو منھ کو پھیرے وہ تا حشر ناس ہو
ان کے لئے تو موت بھی ہے عین زندگی — کیوں ان پہ مرنے والوں کو ڈر ہو ہراس ہو
ناحق دی نقد دل کی امانت، بتوں کے ہاتھ — سچ ہے کہ اپنی چیز جو ہو، اپنے پاس ہو
ہے زندگی ہی باعث محرومی وصال — فرقت میں جینے والوں کو مرنا ہی راس ہو
کیا چپکے چپکے کیجئے نظارۂ جمال — اپنا گذر جو کاش، ترے آس پاس ہو
ہاں چشم مستِ ساقیِ خم خانہ الست — اک ایک قطرہ دور میں سو سو گلاس ہو
سید چھپائے رکھیو حسینوں سے نقد دل
ایسا نہ ہو کہ مال کی اپنے ہہاس ہو

افشائے عشق مشغلہ قصہ خواں نہ ہو — پردے کی بات بڑھ کے کہیں داستاں نہ ہو
ممکن نہیں کہ بول سکے نامہ بر سی بات — جب تک کسی کے منہ میں کسی کی زباں نہ ہو

دیتا ہوں تجھ کو تیری محبت کا واسطہ[۱] بن جائے دل پہ بھی تو زباں پر فغاں نہ ہو
اے ضبط شوق پاس وفا تجھ کو چاہئے دل بھی دُکھے تو شکوہ سے واقف فغاں نہ ہو
سیدؔ ہو ایسے باغ میں کیونکر چہل پہل
جس شاخ گل پہ ہائے کوئی آشیاں نہ ہو

دنیا میں بھلا کون نہیں ہم سے زیادہ[۲] لاکھوں ہی کو دیکھا کہ ہوئے کم سے زیادہ

۱۹۴۶ء

گئی حرارت سوز دروں شباب کے ساتھ یہ دھوپ چل بسی دن ڈھلتے آفتاب کے ساتھ
نکلتی بات نہیں کچھ زبان قاصد سے پیام مرگ یہ لایا نہ ہو، جواب کے ساتھ
ہمارا قصہ فقط تھا صحیفہ دل تک گئے یہ حرف و حکایت اسی کتاب کے ساتھ
کچھ ایسا موت نے پانی چڑھایا پیری میں کہ شرط کرنے لگی زندگی حباب کے ساتھ
مآل عشق کی پروا مجھے نہ تھی ہرگز گذر رہی ہے مگر زندگی عذاب کے ساتھ
سویرے گھر سے چلے ہیں وہ سیر کرنے کو یہ ایک چاند بھی نکلا ہے آفتاب کے ساتھ
نہ چونکے اس پہ بھی سیدؔ تو حیف ہے تم پر
کہ پیری اب ہے لڑکپن گیا، شباب کے ساتھ

۱۔ کلیات: واسطا
۲۔ کلیات: صرف ایک شعر درج ہے۔

۱۹۲۷ء

پیچھے نہ ہٹے راہ محبت میں ذرا بھی
کیا شیر کا دل رکھتے ہیں ارباب وفا بھی

مرنا بھی نہیں چاہتے جینے سے خفا بھی
ہم مورد احساں بھی ہیں پامال جفا بھی

طاقت نہیں نالوں کی محبت میں ذرا بھی
پہونچے نہیں[1] تجھ تک مری آہوں کی ہوا بھی

کچھ حسن ہی ظالم کا نہیں کھینچنے والا
پیچھا کیے پھرتی ہے محبت میں بلا بھی

خورشید نہیں اس کے بھی قابل مرے آگے
میں دھوؤں نہ اس طشت میں تیری کف پا بھی

اب کیا ہو مداوا ترا اے درد محبت
حق میں ترے تاثیر کو روتی ہے دوا بھی

بن بن کے مٹے ہائے نہ کس کس کے گھروندے
بیٹھا ہوا اک کھیل بناتا ہے خدا بھی

ٹوٹا ہے محبت میں کچھ اس طرح کلیجا
اٹھتے نہیں ہیہات مرے دست دعا بھی

ان جھڑکیوں پر ان تو ہوئی عشق میں نازاں
پھولا نہ سماؤں میں جو رخ پاؤں ذرا بھی

باہر ہی رہا جامے سے وحشت میں گریباں
گو دست جنوں نے مرے سو بار سیا بھی

ہستی مری بھاری ہے محبت میں کچھ ایسی
روئے کبھی[1] مردے کو نہ ظالم کی بلا بھی

ہے دن کو ہوس رات کی تو رات کو دن کی
بندے کی طلب وہ ہے کہ ہنستا ہے خدا بھی

اس حال کو اب پہنچی مری راہ نوردی
ہنستا ہے مجھے دیکھ کے نقش کف پا بھی

ہمسائے مرے نالوں سے عاجز ہیں شب ہجر
اے موت کہاں بیٹھی ہے چھپ کر ذرا آ بھی

کی ہم نے گلے رہا کیوں الفت گیسو
پھانسی جو لگائی ہے تو گھوٹے گا گلا بھی

ٹھنڈی نہ ہوئی سوزش فرقت سے طبیعت
پنکھا نفس سرد کا آہوں نے جھلا بھی

سیدؔ ہے عجب زندگی و موت کا قصہ
کہنا یہی پڑتا ہے، ہے اک چیز خدا بھی

ا۔ کلیات: لفظ 'کبھی' اضافہ مرتب

۱۹۲۸ء

خلایق جھک پڑے گی سو مصیبت مرے سر ہوگی
کرم اے روشنی طبع دنیا کی نظر ہوگی
نہ کھوئے آبرو اپنی بلا سے جان اگر جائے
یہی عزت بشر کی، اپنے پانی میں گہر ہوگی
زمیں سے چار ہاتھ اونچا، لحد تک جائیگا انساں
فنا کے بعد دنیا ہی میں معراج بشر ہوگی
مری واماندگی کا حال تو کہنا نہ اے قاصد
انہیں صدمہ جو پہنچے گا تو بے چینی ادھر ہوگی
خدا جانے وہ ایسا مرد میداں کون آئیگا
خدا جانے محبت کی لڑائی کس سے سر ہوگی
کبھی تو ہوگا مر مٹ کر زمانے میں عروج اپنا
کبھی تو میری مٹی، تیری خاک رہ گذر ہوگی
پریشاں کُن ہیں سیّد، یہ خیالات پراگندہ
کہ اک خلقت کی خلقت حشر میں آشفتہ سر ہوگی

۱۹۳۰ء

شادی کی کچھ خوشی ہے نہ رنجش ملال کی
دنیا ہے پائے گاہ سمند خیال کی
کیا چھلکے چاندنی مرے بدر کمال کی
کا ہیدگی مثال بنی ہے ہلال کی
توصیف کس سے ہو صفت ذوالجلال کی
بے مثل ذات کو نہیں حاجت مثال کی
عاشق کا دم نہ چھوڑیں گے ارمان و آرزو
جب تک نہ لاش نکلے امید وصال کی
پائی جہان میں نہ کہیں شکل عافیت
بے طرح چھان بین بہت دیکھ بھال کی
کس جا کوئی چھپے چمن روزگار میں
صیاد مرگ کو ہے خبر ڈال ڈال کی
سیّد بدل دی شکل تک ایذائے ہجر نے
اس پر بھی ابتدا ہی ہے، تغیر حال کی

سنہ ۱۹۳۶ء

پڑ گیا وہ کشمکش میں ظلم کی بیداد کی
میری مظلومی نے مشکیں باندھ دی جلاد کی

ہاتھ کیا آئے کوئی شے، عالم ایجاد کی
پتے پتے ڈالی ڈالی پر ہے لو صیاد کی

اتفاقی امر کا ہونا ہے اوروں کے لئے
میری بدبختی کے آگے کیا چلے افتاد کی

ان کے دامن پر نظر کرنی تھی اے طفل سرشک
خاک میں مل مل کے اپنی آبرو برباد کی

کچھ کہیں ملتا نہیں اب اپنی ہستی کا پتا
پھینک دی ہے عشق نے جڑ کھود کر بنیاد کی

نارسا نالے کیا کرائے دل درد آشنا
ان کے دل میں چوٹ آئے گی تری فریاد کی

اب مری فکر اسیری سے رہائی ہوگئی
قسمتوں سے آج بیڑی کٹ گئی حداد کی

دشمن جان حزیں دونوں ہیں بہر عندلیب
باغباں کی قینچیاں ہوں یا چھری جلاد کی

ہوگئی محنت سوارت تو ہوا قسمت کا نام
کام از خود ہوگیا تو بن پڑی افتاد کی

لاکھ پردے میں بھی ہیں دست کرم اس کے دراز
دینے والا ہو تو ہیں، سو صورتیں امداد کی

زندگی کی قدر کرنی چاہئے انسان کو
شمع روشن ہے یہ، بزم عالم ایجاد کی

لاج رکھنی چاہئے اپنی سیادت کی تمہیں
اک نشانی تم ہو سید آخری بنیاد کی

سنہ ۱۹۳۵ء

منظور ملائک ہے غلامی اسی در کی
جو بات ہے واللہ نرالی ہے بشر کی

پرواہ ہو جنہیں عشق میں کچھ پاؤں نہ سر کی
اے یار یہ ہمت ہے، ہمیں سینہ سپر کی

کیا دیکھتے ہی دیکھتے پلٹا ہے زمانہ
اب شام کی وہ شکل ہے باقی نہ سحر کی

یاد آنا شب ہجر، کسی کا رخ انور
گویا دل مضطر کو بشارت ہے سحر کی

میرے لئے ہر بات تمہاری ہے معما
بولے بھی اگر کچھ تو کبھی پاؤں نہ سر کی

بیجا ہے سر شام تری شعلہ زبانی
اے شمع خبر ہی نہیں کچھ تجھ کو سحر کی

کیوں کوئے محبت میں مریں ہم بھی نہ سید
مٹی ہے ہماری بھی اسی راہ گذر کی

۱۹۳۲ء

پر تو فگن ہو زلف و رخ گلعذار بھی
چھائے جو ابر آگ لگادے بہار بھی

شامل ہوا ہے دفن دل بے قرار بھی
شاید لگے گی پیٹھ نہ زیر مزار بھی

تاب وتواں کو روئے نہ کیوں قلب زار بھی
رکتا ہے اب تو نالہ بے اختیار بھی

آتے ہیں ذرے ذرے بھی منہ آفتاب پر
اللہ کس چڑھاؤ پہ ہے اب اتار بھی

اب تیرے مرنے والوں کا ظالم کہاں پتا
مٹی میں مل چکا ہے چراغ مزار بھی

اک بات اب ہے گوش برآواز کی مثل
سنتا ہے کون روؤں اگر زار زار بھی

جب تک فزائے گل کا شگوفہ کھلا رہا
اڑتی رہی ہوا پہ نسیم بہار بھی

باد خزاں کو لاہی چکی آہ، داؤ پر
جھونکے میں پڑ نہ جائے نسیم بہار بھی

دنیا کا ذرہ ذرہ تغیر پسند ہے
گذری اگر خزاں نہ رہے گی بہار بھی

باندھے ہوئے ہے بادخزاں بے طرح ہوا
طوفاں اٹھا نہ بیٹھے نسیم بہار بھی

نقشہ خزاں کا اپنی اگر ہے نگاہ میں
آنکھوں کے سامنے ہے کسی کی بہار بھی

کیا غم جو لوٹتی ہے مجھے صرصر خزاں
قدموں لگی ہوئی ہے نسیم بہار بھی

قائم ہے جس طرح مرے دم تک خزاں کا ظلم
اپنی کمک دکھالے مجھی تک بہار بھی

بادخزاں اگر اِدھر آئی اُدھر گئی
جھونکا ہے اک ہوا کا نسیم بہار بھی

جاجا کے جیسے پلٹی ہے گلزار میں خزاں
آ آ کے الٹے پاؤں پھری ہے بہار بھی

ساون الاپتی ہیں جو شاخوں پہ بلبلیں
جھولا جھلا رہی ہے نسیم بہار بھی

سید چھوئیں گے خاک مجھے اہل کارواں
پہونچے نہ میری گرد کو ان کا غبار بھی

❁

١٩٣٣ء

ہر سانس زندگی مری اے ناخدا ہوئی
ٹوٹا نفس کا گن کہ یہ کشتی ہوا ہوئی

راحت ملی تو اور مصیبت سوا ہوئی
انساں کی زندگی نہ ہوئی اک بلا ہوئی

اک عمر خضر ہوگئی دنیا میں وہ گھڑی
جس وقت زندگی کی طرف سے وفا ہوئی

کیا جانو تم کہ درد محبت نے کیا کیا
کچھ میرے دل سے پوچھو کہ تکلیف کیا ہوئی

الفت میں بڑھ گیا جو مرا رشتۂ خیال
چادر بھی اپنے پاؤں کی حد سے سوا ہوئی

میرے لئے تو الٹی ہی گنگا بہی مدام
میں مر گیا مگر نہ ادھر کی ہوا ہوئی

مسرور وصل کیا ہوئے مہجور ہوگئے
گتھی کھلی تو اور مصیبت سوا ہوئی

سمجھا بشر ہمیشہ کا آرام مل گیا
دنیا میں دو گھڑی کو جو حاجت روا ہوئی

سیّد شروع عشق میں ہے اپنا خاتمہ
اب بھی جو ابتدا ہے تو بس انتہا ہوئی

*

بدلی نہیں ہے چرخ پہ گرد و غبار کی
تمہید گنٹھ رہی ہے یہ فصل بہار کی

تعریف سر بہ سر ہے غلط خاکسار کی
مٹی نہیں تو خاک ہے ہستی غبار کی

قفل دہن ہے بات مرے گلعذار کی
منقار تھام لے گی یہ بولی ہزار کی

آہوں سے کیا چلے فلک کج مدار کی
لوہار کی ہے ایک اگر سو سنار کی

تسکین دے کے اور بنائیں وہ مضطرب
لاج ان کے ہاتھ میں ہے دل بیقرار کی

دنیا کے بیسوا کو کبھی کم نہ جانیو
پگڑی اتار لیتی ہے یہ شہسوار کی

مرحوم دل کا قبر میں بھی اف رے اضطراب
ہلچل میں پڑ گئی ہے زمیں تک مزار کی

کیونکر کسی کی بات کا دل کو یقین ہو
سینے میں پھر چکی ہے چھری اعتبار کی

لے ہی مرے گی دل کی تڑپ ایک دن مجھے
تسکین ہی وہ دیتے رہیں گے قرار کی

صحن چمن جو حجلۂ داماد بن گیا　　باچھیں کھلی ہوئی ہیں عروس بہار کی
سیدؔ کہیں تو کیا کہیں کچھ ان سے ہم غریب
ہے ان کے منہ پہ بات ہزاروں ہزار کی

۱۹۳

کی چوٹ نگاہوں نے شمشیر دو پیکر کی　　کیا نوک رہی مجھ سے قاتل تیرے خنجر کی
مشتاق شہادت کو کیا عید ہو دم بھر کی　　چشمک سر مقتل ہو چلتی رہے خنجر کی
چلتی ہے چھری کیا کیا اس شوخ ستمگر کی　　نازوں کی اداؤں کی انداز کی تیور کی
خنجر اسے دکھلاو مرنے کا جسے ڈر ہو　　مشتاق شہادت کو پروا ہی نہیں سر کی
جو تیر نگاہوں کا نکلا وہ ادھر آیا　　تودہ ہے یہ دل میرا انکھوں میں ستمگر کی
پھر جائے یہ دل میرا، ہو عشق سے چھٹکارا　　یہ کام ہے قسمت کا یہ بات مقدر کی
وہ زور ہے وحشت کا پیچھا ہی نہیں چھٹتا　　کوڑے ہوئے ہے کیا کیا مٹی یہ مرے گھر کی
کیا فتنہ نگاہی ہے ہر دل کی تباہی ہے　　اک قہر الٰہی ہے چتوں بت خود سر کی
جو داؤ میں پکا ہے پاسا بھی اسی کا ہے　　نیرنگی دنیا ہے بازی کوئی چوسر کی
قاتل ہے اگر میرا، مرنے کی تمنا کیا　　موت اپنی ہے پوشیدہ مٹھی میں ستمگر کی
چتوں میں نشانی ہے کیا ریشہ دوانی ہے　　گلشن میں کہانی ہے اس رشک گل تر کی
جو رنگ ہو صورت ہو سیدؔ کوئی حالت ہو
ہر جام پہ مدحت ہو اس ساقی کوثر کی

١٩٣٩ء

نقاب رخ جو زلف یار ہوگی
نظر کے سامنے دیوار ہوگی

مرے ان کے چھڑی تلوار ہوگی
بڑی ہوگی اگر تلوار ہوگی

نہ پانی پھیرو تم آنسو گراکر
یہ آنکھ اب دیدۂ خونبار ہوگی

مرے آگے نہ لو مہر و وفا کی
کھلے گا منہ تو پھر تکرار ہوگی

نظر انکھوں میں ہے جب تک نظر ہے
کبھی دل میں تو پھر تکرار ہوگی

نظر وہ دل پر ڈالیں جتنا چاہیں
کہ سر ہوگا نہ پھر تلوار ہوگی

محبت کا نہ لے گی نام دنیا
یہ مشکل اور ابھی دشوار ہوگی

ہوائے تند کی ہستی سلامت
مری مٹی انہیں کیوں بار ہوگی

زمیں شکوہ کرے گی رہروں سے
اگر چیونٹی کی بھی رفتار ہوگی

لگا بیٹھا ہوں دل سیدؔ کسی سے
جو ہونی ہوگی اب اے یار ہوگی

١٩٣٩ء

محبت کی ہم نے وہ تمہید اٹھائی
کہ دنیا بھی کرلے نصیب آزمائی

کہا کیوں کہ ظالم نے کی کج ادائی
مرے نامہ برتونے اوکھی سنائی

صبا نے عجیب آمد آمد سنائی
کہ گل کھلکھلائے کلی مسکرائی

میرے اور ان کے یہی ہے برائی
محبت کے جھگڑے وفا کی لڑائی

بہار چمن نے یہ نوبت بجائی
کہ شبنم سے غنچوں کی ہے منھ بھر آئی

نہیں ڈر جو الفت کی بازی لگائی
گئی تو گئی اور آئی تو آئی

سربام اف کس نے صورت دکھائی
دہائی مچادی، مچائی دہائی

سمائی ہوئی بات رکتی نہیں ہے
زباں پر بھی پہونچی اگر دل میں آئی

مچادے جو اندھیر ظلمات دنیا
سکندر کرے خضر کی رہنمائی

طبیعت کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے
نہ آئی تو آئی جو آئی تو آئی
جہاں ہم وہاں بے کسی کا ہے رونا
جدھر تم اُدھر ہے خدا کی خدائی
نہ کہتے تھے چوٹ اس نظر کی غضب ہے
کہو حضرت دل کہو کیسی کھائی
یہ دونوں ہی دشمن ہیں جاں حزیں کے
محبت، قیامت، غضب آشنائی
بتو تم کو پتھر نہ سمجھا تھا ہم نے
خدا جانتا ہے بڑی چوٹ کھائی
ہے اللہ ساتھی تو کیا ڈر ہے سید
جو پھرتی ہے پھر جائے ساری خدائی

۱۹۴۱ء

پیری میں جوانی تری ہستی نہ رہے گی
سب نشہ اتر جائے گا، مستی نہ رہے گی
رتبے میں فلک کی کوئی ہستی نہ رہے گی
اس خاک کے پتلے کی یہ پستی نہ رہے گی
کیا آپ کی زلفوں کو جگہ دیجئے دل میں
ہر وقت یہ ناگن مجھے ڈستی ہی رہے گی
ہم نام بھی کوثر کا نہ لیں گے کبھی ساقی
جنت میں اگر بادہ پرستی نہ رہے گی
رہ رہ کے یہ کیوں تیری بھویں تنتی ہیں قاتل
کیا میاں میں اب تیغ دودستی نہ رہے گی
جل جاؤں تو جل جاؤں میں اس سوز دروں سے
دیدار کو آنکھ اپنی ترستی ہی رہے گی
ہوگا جو قیامت میں سوا نیزہ پہ سورج
بدلی تری رحمت کی برستی نہ رہے گی
اچھا ہے زمانے کا وہ دل چھین کے رکھ لیں
دنیا میں کہیں حسن پرستی نہ رہے گی
محروم تمنا جو رہے دل تو بلا سے
دنیا کوئی آوازہ تو کستی نہ رہے گی
سرکار جنوں کا جو یہی ظلم رہے گا
جنگ میں بھی دیوانوں کی بستی نہ رہے گی
سید ہے غنیمت جو گذر جائے خوشی سے
ہر وقت یہ بدلی تو برستی نہ رہے گی

۱۹۴۰ء

یہ بھی نہیں گمان کہ مشکل سے جائیگی
حسرت کبھی گئی نہ کبھی دل سے جائیگی

کیونکر کہوں کہ یاد تری دل سے جائیگی
آئی ہوئی بلا بڑی مشکل سے جائیگی

گلخن ہے دشت، نالہ سوز ان قیس سے
لیلیٰ کہاں اتر کے تو محفل سے جائے گی

اپنے گلے پہ آپ چھری پھیرلیں گے ہم
جلاد تیری یاد اگر دل سے جائیگی

احسان مرگ مجھ سے اٹھایانہ جائیگا
اس زندگی کی لاج تو مشکل سے جائیگی

پیش خدا بھی رکھے گا یہ سرخرو مجھے
لالی نہ میرے خون کی قاتل سے جائیگی

جس در سے پار اترا سفینہ حیات کا
کشتی مرگ بھی اسی ساحل سے جائیگی

بے جرم کے گلے پہ روانی محال ہے
خنجر کی آبرو ترے بسمل سے جائیگی

لیلیٰ کا حسن کھینچے گا مجنوں کو جس گھڑی
اک اک کڑی نکل کے سلاسل سے جائیگی

مرنا ہو جس کو ڈھونڈھے وہ تلوار کی پناہ
کشتی اجل کے گھاٹ اسی ساحل سے جائیگی

ہوگی جناب خضر کو بھی زندگی وبال
راہ عدم اگر، تری منزل سے جائیگی

طے ہوگا خاک، مسئلہ موت وحیات کا
یہ چھیڑ حشر تک مرے قاتل سے جائیگی

قبلہ نمائے خلق ہے بتخانۂ حرم
کعبے کی راہ تک، اسی منزل سے جائیگی

محدود کب رہا ترا نور جمال رخ
یہ لو گلی گلی تری محفل سے جائیگی

سیّد جو مٹی اپنی ملی خاک میں تو کیا
کیا بوبھی میرزائی کی یہ گلِ سے جائیگی

۱۹۳۳ء

جز وصل دوا میری، دوا ہو نہیں سکتی
اس زہر ہلاہل سے شفا ہو نہیں سکتی

کہتے ہیں جسے رحم وہ ممکن نہیں اس سے
اس کام میں ظالم کی رضا ہو نہیں سکتی

ان کا یہ کرم دیکھو کہ انسان بنایا — ہم سے کوئی خدمت بھی ادا ہو نہیں سکتی
سلگی ہو اگر آگ تو پانی بھی ہے روغن — تسکین دل، آہوں کی ہوا ہو نہیں سکتی
ہیں زندہ جاوید شہیدان وفا سب — یہ مرگ محبت تو قضا ہو نہیں سکتی
قسمت ہی میں ایذا ہو تو چین آ نہیں سکتا — بے چاروں کی دنیا میں دوا ہو نہیں سکتی
تھمتا ہی نہیں تذکرہ وصل پہ ظالم — یہ بات کہی تب تو کہا ہو نہیں سکتی
ناگن پہ کبھی زہر اثر کر نہیں سکتا — وہ زلف گرفتار بلا ہو نہیں سکتی
صورت کے چھپانے ہی میں ہیں ناز کے انداز — بے پردگی حسن ادا ہو نہیں سکتی
میخانہ ساقی میں دوگانہ مری سید
اللہ نے چاہا تو قضا ہو نہیں سکتی

۱۹۴۵ء

اس رخ کی ضو اس آئینہ دل میں آگئی — دریا کی جو بہار تھی ساحل میں آگئی
اے عشق جان دینے کی اب دل میں آگئی — ہم جس سے ڈر رہے تھے، مقابل میں آگئی
اس بزم کی طرف سے جلن دل میں آگئی — غیروں کی روشنی تیری محفل میں آگئی
بنت عنب جو رندوں کی محفل میں آگئی — مستی کے ساتھ امنگ بھی کچھ دل میں آگئی
سینے میں تھا پڑا ہوا مردہ صفت غریب — تم آگئے تو جان مرے دل میں آگئی
سنگ ستم نے ان کے دلاور بنا دیا — جرات پہاڑ، توڑ مرے دل میں آگئی
ساقی اداس کیوں نہ ہو میخانہ جہاں — رونق تمام کی تری محفل میں آگئی
مجھ کو اٹھا کے ہائے عدو کو ملی جگہ — شامت تھی میری جو تری محفل میں آگئی
روشن ہوا جو قبر پہ میرا چراغ مرگ — شمع حیات آپ کی محفل میں آگئی
جاتے ہی ان کے ایسی چلی کچھ ہوائے یاس — ہر شمع جھلملانے پہ محفل میں آگئی
رونق فروز بزم ہوئے جب کبھی حضور — خلقت کی خلقت آپ کی محفل میں آگئی

ہے داغ دل میں اپنے محبت کی روشنی
سورج کی جوت اس مہہ کامل میں آگئی

ظالم نے سارے شہر میں ستھراؤ کردیا
طاقت کہاں کی بازوئے قاتل میں آگئی

اف ری بہار جشن شہادت کی دل کشی
خلقت سمٹ کے کوچۂ قاتل میں آگئی

دنیا میں قتل عام کا بازار گرم ہے
تلوار جب سے قبضہ قاتل میں آگئی

قطرے میں رونمائی ہو دریائے حسن کی
اک موج تھی جو خطہ ساحل میں آگئی

یارب کنارے پر بھی ٹھہرنا ہے اب محال
دریا کی لہر، موجۂ ساحل میں آگئی

آب و ہوا ہمارے موافق نہیں رہی
کون ایسی بات یار کی منزل میں آگئی

انسان اب اختیار کرے کون راستہ
جو راہ تھی وہ یار کی منزل میں آگئی

پوچھو نہ میری ہستی آشفتہ حال کی
ٹوٹی ہوئی سی اجڑی سی منزل میں آگئی

ہم نحنُ اقربُ پہ ابھی تک تھے مطمئن
دوری کہاں کی اب تری منزل میں آگئی

سیّد نظام مجلس وحشت خراب ہے
ایسی کڑی وہ کون سلاسل میں آگئی

۱۹۴۵ء

کمی کیوں ہو ساقی مئے ارغواں کی
کہ بھٹی سلامت ہے پیر مغاں کی

ہے دل ہی کے قابل وہ شمشیر ابرو
دہن کا ہی حصہ ہے لذت زباں کی

قیامت نہ کیوں آئے اہل زمیں پر
ہے محشر خرامی پہ چال آسماں کی

نہ بیٹھے کبھی مطمئن ہو کے انساں
ہیں کڑیاں سلامت ابھی امتحاں کی

قدم اب تو گھر میں ٹھہرتے نہیں ہیں
خدا جانے دل میں سمائی کہاں کی

ہوا کم نہ گز بھر بھی دنیا کا رقبہ
نہ کس کس گلی کی یہاں خاک پھانکی

قدم اپنے ہاتھوں ہیں منزل سے آگے
رسائی تو دیکھو مرے کارواں کی

مرے ذکر پر دل نہ کیوں خون روئے
ہے سرخی بھی، اک شرح غم داستاں کی

ستانا فقط کیوں نہ ہو شیوہ ان کا انہیں چال چلنی پڑی آسماں کی
میں دنیا میں ایسا ہی کھویا ہوا ہوں کہ پروا نہیں مجھ کو نام ونشاں کی
وہ مشتاق ہوں، سرمہ کہہ کر لگاؤں جو مل جائے مٹی ترے آستاں کی
ہوں کیا باغباں چہچہے بلبلوں کے وہ پہلی سی رونق نہیں بوستاں کی
ہو کیوں شرب مے پر ترا عذر زاہد تجھے اس میں جرأت نہیں این وآں کی
ہے دنیا کو شک میرے رونے پہ سید
کہ ندی چڑھی ہو نہ اشک رواں کی

۱۹۴۸ء

کیا بتوں نے بھی کبریائی کی نت نئی شان ہے خدائی کی
واہ رے شان کبریائی کی دھوم اک مچ گئی خدائی کی
جیسے اُس بت نے کبریائی کی راہ کھلنے لگی خدائی کی
اس طرف کوئی بھی نہیں آتا اسی طرف بھیڑ ہے خدائی کی
وہ حرم ہے، دیار بت خانہ جس کے ہر ذرہ نے خدائی کی
آگئی جب تو لے گئی آخر جوٹ روکے رکی نہ آئی کی
ذرے ذرے پہاڑ بن بیٹھے اب تو پربت ہے، بات رائی کی
خاک ہم ہوگئے تو کیا سید
بو بھی جائے گی میرزائی کی

۱۹۴۶ء

دولت کہاں سے کاسۂ سائل میں آئے گی — امید کوئی کام نہ مشکل میں آئے گی
ان کے دماغ کی نہ مرے دل میں آئے گی — دریا کی شان خاک نہ ساحل میں آئے گی
پانی تو چڑھ لے کچھ ابھی شمشیر ناز پر — دنیا کی جان پنجۂ قاتل میں آئیگی
اپنے گلے پہ کیوں کروں ظالم کا ہاتھ صاف — سفاکی اس سے اور بھی قاتل میں آئے گی
ہم نامراد سمجھیں گے دولت ہی مل گئی — امید کی جھلک بھی اگر دل میں آئے گی
ٹلتے نہیں ہیں یار تری رہ گذر سے ہم — شاید اجل بھی اب اسی منزل میں آئے گی
ان کی تجلیوں سے ضیا ہے چراغ کی — وہ آئیں گے[۱] تو شمع بھی محفل میں آئے گی
کیوں کر کہوں کہ پہنچے گا کمبخت یار تک — قاصد کی موت پہلے ہی منزل میں آئے گی
پرساں ہے کون اس شب ہجراں غریب کا — جب آئے گی یہ میرے مقابل میں آئے گی
پھیلے گی جب اس انجمن آرا کی روشنی — پروانہ بن کے شمع بھی محفل میں آئیگی
حسرت نصیب اپنی تمنا کی کیا کہوں — مردہ ہی ہو کے نکلے گی جب دل میں آئیگی
دن رات لب پہ سوز جگر کی دہائی ہے — کیا اب کمی بھی کچھ طپش دل میں آئیگی
سونا تو جیتے جی نہیں فرقت میں اب نصیب — نیند آئے گی تو گور کی منزل میں آئیگی
طوفاں ہزار کیوں نہ اٹھائے حباب بحر — جنبش کبھی نہ دامن ساحل میں آئیگی

رحمت کو اس کی موج مسرت کی دیر ہے
یہ پار اتار دے گی اگر دل میں آئیگی

۱۔ کلیات: لفظ 'گے' چھوٹ گیا ہے۔

[1] اور ہی جنبش ہے تیرے ابروئے خمار کی — [2] کھولتا ہے خون سے وہ آنچ اس تلوار کی
کیوں محبت ہو نہ اس کے ابروئے خمار کی[3] — عمر گذری ہے ہماری چھاؤں میں تلوار کی
کچھ نہ کام آئی محبت ابروئے خمار کی — چڑھ گئے جاں باز تیرے باڑھ پر تلوار کی
ہے جو الفت اس مژہ کی، ابروئے خمار کی — رات دن ہے چوٹ اس دل پر چھری تلوار کی
کھنچتے ہی آنکھوں میں میری، قتل مجھ کو کر دیا — ان کٹاری سے بھوؤں میں ہے صفت تلوار کی
قتل نے ہم سخت جانوں کو تھکایا اس قدر — پیاس سے باہر نکل آئی زباں تلوار کی
کوئی دم راحت نہ پائی میں نے اس کے عہد میں — ہائے کس ساعت کی پیدا ہے جدائی یار کی
منہ اندھیرے آئی کس گل کی سواری باغ میں — آنکھ کھلتے بلبلوں نے راہ لی گلزار کی
اب کروں گا درد الفت کی دوا کا کچھ خیال — پرورش کی عمر بھر میں نے جب اس آزار کی
اتنا جمگھٹ ہے خریداران جنس حسن کا — راہیوں کو راہ تک ملتی نہیں بازار کی
سرد مہری نے خریداروں کی باندھا ہے وہ رنگ — گرمیاں ٹھنڈی پڑی ہیں حسن کے بازار کی
چودھویں کا چاند ہے واللہ چہرہ آپ کا — اللہ اللہ ری ضیا آئینہ رخسار کی
کوئی دم اس سے الگ ہونا گوارا ہی نہیں — ہے صفت ظالم کی الفت میں گلے کے ہار کی
کھیلنا اے دل نہ بھولے بھی کبھی شطرنج عشق — ہم کہے دیتے ہیں ناداں ہے یہ بازی ہار کی
دل کی حالت سے ہے ظاہر شوق تیری دید کا — حسرت آنکھوں سے ٹپکتی ہے ترے دیدار کی
میرے دامن پہ نہ رکھیے گا کبھی محفل میں ہاتھ — آبرو برباد نہ ہو جائے عزت دار کی
گھر سے باہر کر رہی ہے خانہ ویرانی مجھے — کیوں نہ حسرت سے تکوں صورت در و دیوار کی

ہم ہوں خواہش مند ان کے وہ خریدار رقیب
رسم ہی الٹی ہے سیدؔ حسن کے بازار کی

۱۔ طرحی غزل: مشاعرہ درگاہ دیوان شاہ ارزانؒ ۱۲-۱۳؍ اپریل ۱۹۱۹ء۔ تاج گلدستہ گیا ص ۲۷۴۔ "کلیات سید" میں مذکورہ غزل موجود نہیں۔
۲۔ گلدستہ: کھوتا ہے خون ہے وہ آنچ اس تلوار کی، ص ۲۷۴
۳۔ گلدستہ: کیوں ہو محبت نہ اس کے ابروئے خمار کی، ص ۲۷۴

روح[۱] دم بھر بھی نہ ٹھہری شب فرقت میری
شاید آئی تھی اجل بن کے مصیبت میری

جیتے جی مجھ سے نہ چھوٹے گی یہ عادت میری
ہوگیا مشغلۂ عشق، طبیعت میری

ایسی بدلی ہے ترے عشق نے ہیئت میری
خوف کھاتی ہے اجل دیکھ کے صورت میری

تیرے دل میں جو نہ ہو کچھ بھی محبت میری
پھوٹی آنکھوں بھی نہ دیکھے کوئی صورت میری

حاسدوں نے ابھی دیکھی نہیں جدت میری
ایک دن آگ لگادے گی طبیعت میری

ابر رحمت جو نہ چھڑکاؤ کرے مرقد پر
خاک اڑتی نظر آئے سر تربت میری

حشر ڈھاتے ہیں وہ بے طرح لحد پر آکر
شق نہ ہوجائے الٰہی کہیں تربت میری

اپنے کوچے میں کیا دفن پری رویوں نے
یہ بھی قسمت کہ پرستاں میں ہے تربت میری

ان کے دل میں بھی اگر دھیان کچھ آتا ہوگا
گھومتی ہوگی نگاہوں میں بھی تربت میری

میری میت کو جو دی یار نے مٹی آکر
ہمہ تن خاک شفا بن گئی تربت میری

بیکسی تو ہی تو ہے وجہ نشان مرقد
بیکسی تجھ سے نمودار ہے تربت میری

کھیل کھیلا نہ سر گور غریباں آکر
کوئی بچوں کا گھروندا نہیں تربت میری

میری حسرت کہ رقیبوں کی نہ نکلے حسرت
ان کو حسرت کہ نہ نکلے کوئی حسرت میری

لطف حیراں ہی اٹھا سکتا ہے حیرانی کا
آئینہ بن کے ذرا دیکھئے حیرت میری

جب اسے اس نے نہ دیکھا تو نہ دیکھا کچھ بھی
دیکھنے کی ہے فقط چشم بصیرت میری

دیکھتا رہ گیا مجھکو وہ صنم بت بن کر
آئینہ ہوگئی پتھر پہ بھی حیرت میری

یہ کبھی چھوڑنے والی بھی ہے زندہ مجھکو
ہڈیاں پھونک نہ دے گی تپ فرقت میری

مطلع صبح نہ ہو کیوں شفق شام وصال
روز غم سے ہے مبدّل شب عشرت میری

ظلم سہہ سہہ کے ترا شکر ادا کرتا ہوں
تجھ سے پھرتی ہی نہیں چشم مروت میری

۱۔ مذکورہ بالا غزل کلیات سیدؔ میں موجود نہیں۔ یہ غزل طرحی مشاعرے کی ہے جو گلدستہ تاج گیا بابت نومبر، دسمبر ۱۹۲۲ء شائع ہوئی ہے۔ یہ مشاعرہ سید شاہ اقبالؔ، لودی کٹرہ پٹنہ سیٹی کے گھر ''اقبال منزل'' میں منعقد ہوا۔ اس مشاعرے کے داعی سید معین الدین قیس تلمیذ شادؔ تھے۔ شادؔ، باقرؔ، نے شرکت کی تھی۔ دونوں کی غزلیں گلدستہ میں موجود ہیں۔

جائیں وہ شیش محل غیر کو شامل لے کر
کاش پتھر پہ پٹک دے کوئی قسمت میری

کیا عجب میرے گناہوں کی نہ ہو کچھ پرسش
جوش پہ لائی ہے رحمت کو، ندامت میری

بزم اغیار میں جانا ہے مصیبت ان کو
بخت اعداد سے لپٹ پڑتی ہے قسمت میری

المدد اے خضر شوق، لئے چل مجھ کو
پاؤں ٹوٹیں گے اگر کم ہوئی ہمت میری

ہے رواں سلطنت عشق میں سکّہ میرا
کیوں نہ ہو مملکت حسن میں شہرت میری

چار دیوار عناصر کا تڑپنا کیا ہے
پھاند ڈالوں گا، سلامت رہے ہمت میری

جنس ناچیز ہوں بازار جہاں میں سیّد
کیا جچے چشم خریدار میں قیمت میری

❁

اے[1] ظالم کہیں اٹھا بھی دے چلمن نقاب کی
کچھ انتہا بھی ہے کہ نہیں ہے حجاب کی

وہ ولولوں کے دن وہ امنگیں شباب کی
قصے خیال کے ہیں، کہانی ہے خواب کی

عادت گئی نہ قبر میں بھی اضطراب کی
مٹی خراب ہے دل خانہ خراب کی

جتنا غبار خاک اٹھا ہوگیا ہوا
مرے عروج نے مری مٹی خراب کی

پیدا نہ ہوتا میں تو نہ ہوتا کبھی فنا
ہستی نے اور بھی مری مٹی خراب کی

ڈر ہے کہ جل نہ جائے مرا خرمن وجود
رگ رگ میں دیکھتا ہوں میں برق اضطراب کی

اس رخ پہ لعل لب ترے دیکھے تو سوجھی یہ
پھولوں کی پنکھڑی ہے کہ پتی گلاب کی

کھویا خط عذار نے چہرے کا آب ورنگ
یہ کیڑے ہائے لے گئے رونق کتاب کی

ہوتا چلا ہے کوکب تقدیر سربلند
ٹوٹی ہے جس گھڑی سے طناب انقلاب کی

عہد شباب میں ہوئے موئے سر سفید
مجھ پر شعاعیں پڑگئیں کس آفتاب کی

سیّد خدا گواہ کہ سہما ہوا ہوں میں
دہشت سما گئی ہے جو روز حساب کی

❁

۱۔ سید حسن سیّد عظیم آبادی مذکورہ غزل جریدہ ''المصباح'' پٹنہ کے شمارہ مئی ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس رسالے کا مختصر تعارف راقم السطور کے مضمون'' قاضی عبدالودود کا پہلا تحقیقی مقالہ''مطبوعہ جامعہ دہلی، اپریل ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا۔

[1]نسبت ہے ظرف دل کو قدوم جناب سے ٹکر بھی لے یہ طشت نہ کیوں آفتاب سے
دنیا الٹ کے رہ گئی کیا انقلاب سے ذرے کی چوٹ چلنے لگی آفتاب سے
بجھنے کا خوف ہی نہیں شمع امید کو ہے اپنی لو لگی ہوئی کیا آفتاب سے
کس اوج پہ ہے ہستی خاکی کا ارتقا ذرے بھی اب لڑاتے ہیں آنکھ آفتاب سے
اف کیا گرفت، کشمکش زندگی کی ہے مرجائیں بھی تو سمجھیں کہ چھوٹے عذاب سے
سونے کا ڈھیر ہم اسے سمجھیں گے قبر پر مٹی جو ہو نصیب جہان خراب سے
تسبیح کے امام ہیں سیدؔ جہاں میں ہم
اپنا شمار کیوں نہ ہو خارج، حساب سے

[2]آہ تدبیر مآل شب فرقت کیا ہے کوئی صورت نظر آتی نہیں، صورت کیا ہے
کیا کہوں اپنی زباں سے مری حالت کیا ہے مرنے والوں ہی سے پوچھو کہ محبت کیا ہے
حسن مدھم ہے، پریشان ہے زلف عنبر آئینے میں تو ذرا دیکھئے صورت کیا ہے
ایک سر اس پہ قیامت ہے ہزاروں سودا پھر بھی یہ پوچھتے ہیں لوگ کہ وحشت کیا ہے
دست نازک سے شکستہ تو ہو یہ آئینہ پھر دکھادیں گے کہ اس دل کی حقیقت کیا ہے
کیوں بہار آتے ہی صحرا کو چلے دیوانے کیوں ہوئے چاک گریباں، یہ وحشت کیا ہے
کیوں بجھائے گی اسے باد مخالف سید
داغ دل کوئی چراغ سر تربت کیا ہے

۱۔ مذکورہ غزل دیوان سیدؔ میں موجود نہیں۔ یہ غزل مطبوعہ گلدستہ ''انجمن رفیق الشعراء'' پٹنہ سیٹی سے ماخوذ ہے۔ گلدستہ کی اشاعت ۱۹۰۹ء کی ہے۔

۲۔ یہ غزل ماہنامہ ''کونل'' ڈالٹین گنج کے شمارہ ۵، جلد ۳ جنوری ۱۹۶۳ء، ص ۵۹، ''بادۂ کہن'' کے تحت شائع ہوئی تھی۔ راقم الحروف اس کی مجلس ادارت کا ایک رکن تھا۔

[۱] راحت کو بھول جایئے، ایذا اٹھایئے
دل دینے کی سزا ہے، نتیجا اٹھایئے

نقش قدم کی طرح سے ہیں رہ گذر میں ہم
ہم سے گرے ہوؤں کو خدا را اٹھایئے

کھلنے پہ آگیا ہے بھرم کوئے یار کا
شوخی ابھارتی ہے کہ پردا اٹھایئے

آنکھوں کو ضد کہ ان سے رہے چشم التفات
دل کو نصیحت اس کا بھروسا اٹھایئے

واللہ آپ اپنی حفاظت کرے گا حسن
پردے کو جانے دیجئے، پہرا اٹھایئے

کہتے نہ تھے کہ قہر ہے شوق گل مراد
تکلیف خار زار تمنا اٹھایئے

اک ہم ہیں اور آپ کوئی دوسرا نہیں
کس کا حجاب، چشم تماشا اٹھایئے

دنیا نہیں مرقع نیرنگ حسن ہے
حیرت سے کیوں نہ چشم تماشا اٹھایئے

لکھنا کسی طرح میں غزل قہر ہوگیا
کٹ جائیں ہاتھ جب تو قلم کیا اٹھایئے

چلئے جہاں کوئی نہ ہو سید شریک حال
ایذا غم فراق کی تنہا اٹھایئے

[۲] میرے فریب دل کی حقیقت ہی کیا حضور
اس پر نہ آنکھ اپنی خدارا اٹھایئے

بے بہرہ ہوگئی مری چشم نظارہ باز
اب کس پہ یہ خیال کہ پردا اٹھایئے

دل دے خدا تو لوٹیے تفریح کے مزے
آنکھیں ملیں تو لطف تماشا اٹھایئے

تکلیف شوق و نازش احباب و رنج و غم
اس ایک اپنی جان پہ کیا کیا اٹھایئے

سید مجاز میں ہی حقیقت طلب ہو دل
دنیا میں رہ کے خواہش دنیا اٹھایئے

۱۔ یہ طرحی غزل ہے۔ طرح: تلوار کھینچئے کہ تمنچا اٹھایئے۔ یہ مشاعرہ ۳۱-۱۹۳۰ میں حفیظ الدین بلخی کی طرف سے بخشی محلہ پٹنہ سیٹی میں ہوا تھا۔ سید نے گلدستہ چھپوا کر بٹوایا تھا۔ ہر غزل ۱۸ اشعار کی ہے لیکن یہاں انتخاب درج کیا گیا ہے۔ محمود علی خاں صبا کے پاس گلدستہ تھا جو ضائع ہوگیا۔

۱۔ یہ غزل طرحی ہے کل اشعار ۱۸ تھے۔ ۵ اشعار نقل ہو سکے۔ گلدستے کے مطابق یہ تیسری غزل ہے۔ اب یہ گلدستہ ضائع ہو چکا ہے۔

[۱] دھمکی میں بھاگ جائیں گے اغیار بزم سے — کیا ایسے بزدلوں پہ تپنچا اٹھایئے
دنیا میں اک مرقع عبرت فزاہوں میں — آنکھیں ادھر نہ بہر تماشا اٹھایئے
دنیا میں چھوٹے منہ سے بڑی بات کیجئے — قطرے سے شور صورت دریا اٹھایئے
یکرنگی زمانہ سے سیّد بھرا ہے دل
کچھ لذت دو رنگیٔ دنیا اٹھایئے

❁

[۲] افسوس جائے شام ہے یاروں کا قافلہ — اور آپ صبح کو بھی نہ جھنڈا اٹھایئے
مردانگی سے باز نہ آئیں گے جاں نثار — بندوق چھوڑیئے کہ تپنچا اٹھایئے
منہ زوریاں کرے جو کوئی دم، سمند عمر — کوڑے سے بات کیجئے، کوڑا اٹھایئے
دشمن بھی ہو تو اس کی تواضع ضروری ہے — آکر جو بیٹھ جائے، اسے کیا اٹھایئے
اغیار کا کہیں پہ نہیں سیّد ہے اعتبار
سچ بولنے کا دل سے بھروسا اٹھایئے

❁

۱۔ اس غزل کے کل طرحی اشعار ۱۸ تھے لیکن صرف چار اشعار نقل ہو سکے۔ گلدستہ ضائع ہو چکا ہے۔ شمار نمبر مرتب نے درج کیا ہے۔

۲۔ طرحی گلدستہ سے سیّد کی غزل نقل ہوئی ہے۔ کل اشعار ۱۸ تھے۔ صرف پانچ نقل کیے جا سکے۔ گلدستہ کی ملکیت سید محمود علی خاں صبا کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد ساری چیزیں ضائع ہو چکی ہیں۔ پوری غزلیں نقل نہ کرنے کا افسوس ہے۔

^۱^سید علی خاں بیتابؔ عظیم آبادی کی رحلت پر قطعاتِ تاریخ

غش میں دنیا کو خیر باد کیا ۔۔۔ بیہشی عین ہوشیاری ہے
تونے ضائع، ریاض شاد کیا ۔۔۔ مرگ بیتابؔ کیا کہوں تجھ سے
۱۳۴۷ھ ۔۔۔ ۱۳۴۷ھ

دیگر

ایک سو دوستوں میں تھا غم شادؔ ۔۔۔ میر باقر کا اک طرف رونا
چل بسے تم بھی چھوڑ کر بیتابؔ ۔۔۔ میرے مشفق مرے کرم فرما
منبع جود و مخزن اخلاق ۔۔۔ مایہ دار خلوص و مہر و وفا
تھی غنیمت تمہاری ہستی بھی ۔۔۔ تم بھی تھے جان شاعری بخدا
ایسے ہی تم تھے لاڈلے مختار ۔۔۔ خاتمہ کرگئے وکالت کا
بات رکھتے تھے ذات میں اپنی ۔۔۔ شہر میں تھا یونہی نہیں شہرا
کوئی استاد فن نہیں باقی ۔۔۔ یا الٰہی یہ کیسی پھیلی وبا
پے بہ پے غم اور دکھ پر دکھ ۔۔۔ سامنا آفتوں پہ آفت کا
ہائے ری قسمت عظیم آباد ۔۔۔ چار سو چھا گیا ہے سناٹا
سر الف کا اتار کر کہہ دو
اب کے یہ تیسرا چراغ بجھا
۱۹۲۸ء

۱۔ ''کلیات سیدؔ'' میں یہ قطعات تاریخ موجود نہیں۔ ان قطعات کو گلدستہ حسرت مرتبہ حمید عظیم آبادی مطبوعہ ۱۹۲۸ء سے نقل کیا گیا ہے۔

[1]قطعہ تاریخ دیوان حامدؔ

اس دور آخری میں اچھوتے لکھے کلام
حق ہے جناب حامدؔ عالی دماغ کا

رہ رو کے حق میں آپ کا دیواں ہے خضر راہ
دیتی ہے کام شمع ہدایت چراغ کا

اس کے حروف بلبل گلزار حسن و عشق
اس کا ورق جواب ہے اک صحن باغ کا

مانگوں میں خیر میکدۂ فکر کی نہ کیوں
لایا ہے مژدہ ملہم غیبی ایاغ کا

سیدؔ یہ لکھ دو مصرعۂ تاریخ طبع تم
دو بند اک نمونہ ہے دیوان داغ کا

۱۔ یہ قطعہ تاریخ سید عظیم آبادی کی تصنیف ہے۔ ''دیوان حامد'' سید شاہ حامد حسین عظیم آبادی، سجادہ نشیں خانقاہ ارزانی پٹنہ سیٹی کے دیوان میں موجود ہے۔ قطعہ کے سرنامے پر یہ درج ہے۔ ''سید منشی سید حسن صاحب سید شاگرد جناب منشی محمد باقر صاحب باقرؔ عظیم آبادی۔

کتابیات

بہار میں اردو شاعری کا ارتقاء	کلیم احمد عاجز
تذکرۂ شورش	محمود الٰہی
حقیقت بھی کہانی بھی	سید بدر الدین احمد
جامع العروض	حمید عظیم آبادی
ذکر و مطالعہ	ذکی الحق
ساز و آواز	غضنفر نواب دانش
شعر العجم	شبلی نعمانی
عظیم آباد کا یادگار مشاعرہ	محمد یوسف خورشیدی
غزل: منظر و پس منظر	ساحل احمد
کلیات شاد	کلیم الدین احمد
گلدستۂ حسرت	حمید عظیم آبادی
مجلس ادب	عطا کاکوی، کلیم عاجز
مسلم شعرائے بہار	حکیم احمد اللہ ندوی
مقالات قاضی عبدالودود	کلیم الدین احمد
یاران میکدہ	سید محمود علی خاں صبا

رسائل واخبارات

آجکل	(دہلی)	۱۹۸۳ء
تاج	(گیا)	۱۹۱۹ء
تاج	(گیا)	۱۹۲۲ء
جامعہ	(دہلی)	۱۹۸۳ء
صدائے عام	(روزنامہ)	۱۹۵۳ء
کوئل	(ڈالٹین گنج)	۱۹۶۴ء
معاصر	(پٹنہ)	۱۹۸۳ء
نگار	(لکھنؤ)	۱۹۳۹ء
نیادور	(لکھنؤ)	۱۹۸۸ء

خدابخش لائبریری کی اہم مطبوعات

* مولانا ابوالکلام آزاد: فکر وعمل کے چند زاویے/ پروفیسر وہاب قیصر	۱۸۸ص	-/۱۶۰
* قرۃ العین حیدر- شخصیت اور فکر وفن	۲۰۸ص	-/۲۴۰
* شگرف نامہ ولایت: سفرنامہ انگلستان	۲۰۰ص	-/۲۰۰
* انوکھی مسکراہٹ: نفسیاتی افسانوں کا مجموعہ	۱۴۸ص	-/۲۳۲
* مولانا رومی اور ان کا پیغام	۲۱۴ص	-/۲۴۰
* نقوش حسن: انتخاب کلام حسن نعیم	۲۴۰ص	-/۲۰۰
* اصلاح النساء (ناول)/ رشید النساء	۲۳۲ص	-/۲۰۰
* مولانا آزاد کی ادبی صحافت/ ڈاکٹر انوار احمد	۴۰۲ص	-/۲۴۰
* مولانا آزاد کے سائنسی مضامین/ ڈاکٹر وہاب قیصر	۲۵۶ص	-/۱۵۰
* غالب: ماضی: حال: مستقبل/ پروفیسر محمد حسن	۲۴۴ص	-/۱۵۰
* قاموس المشاہیر، جلد اول/ نظامی بدایونی	۳۴۴ص	-/۳۰۰
* قاموس المشاہیر، جلد دوئم/ نظامی بدایونی	۳۰۲ص	-/۳۰۰
* پہلو نہ دکھے گا.....: خطوط کا مجموعہ/ کلیم احمد عاجز	۳۰۰ص	-/۲۰۰
* میری زبان میرا قلم: مجموعہ مضامین، جلد اول/ کلیم احمد عاجز	۳۹۴ص	-/۲۲۵
* میری زبان میرا قلم: مجموعہ مضامین، جلد دوم/ کلیم احمد عاجز	۴۸۰ص	-/۲۷۵
* پھر ایسا نظارہ نہیں ہوگا/ کلیم احمد عاجز	۳۰۶ص	-/۲۵۰
* مقالات طب/ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	۱۹۴ص	-/۱۳۰
* مجاز کی باتیں/ صہبا علی	۳۰۶ص	-/۲۵۰
* عہد اسلامی کا بنگال/ سید یحییٰ حسن ندوی	۳۴۸ص	-/۲۵۰
* مفتاح الکنوز: دستی فہرست عربی مخطوطات جلد ۴/ محمد عتیق الرحمٰن	۱۷۸ص	-/۱۳۰

ملنے کا پتہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

*****